نگاہِ لطف

فرمودہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(۱) مسحور کر دیا مجھے دیوانہ کر دیا — تیری نگاہِ لطف نے کیا کیا نہ کر دیا

جادو بھرا ہوا ہے وہ آنکھوں میں آپ کی — اچھے بھلے کو دیکھ کے دیوانہ کر دیا

سوزِ درونِ دل نے جو مارا تو دیکھنا — خود شمع بن گئے مجھے پروانہ کر دیا

آنکھوں میں گھس کے وہ مرے دل میں سما گئے — مسجد کو اِک نگاہ میں بُت خانہ کر دیا

خُم کی طرف نگاہ کی ساقی نے جب کبھی — میں نے بھی اس کے سامنے پیمانہ کر دیا

ہیں ناخدائے قوم بنے صاحبانِ عقل — ہے اس خیال نے مجھے دیوانہ کر دیا

ہر جلوۂ جدید نے تختہ اُلٹ دیا — خود مجھ کو اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا

میری شکائتوں کو ہنسی میں اُڑا دیا — لایا تھا جو میں سنگ اُسے دانہ کر دیا

کہتے ہیں میرے ساتھ رقیبوں کو بھی تو چاہ — لو اور مجھ غریب پہ جرمانہ کر دیا

ناصح وہ اعتراض ترے کیا ہوئے بتا
یکتا کے پیار نے مجھے یکتا نہ کر دیا؟

بھائی عبد الرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر دار المسیح قادیان سے شائع کیا۔

"نشان"

از مکرم امان اللہ خان صاحب احمدؔی کراچی

یہ کل ایک ہم نشیں کہتے تھے آکر — کہ کیا ہوگا بھی مسلم کا آخر؟
خدا کو جانتا ۔ پہچانتا ہے — رسول اللہ کو بھی مانتا ہے
کتابِ حق بھی ہے اُسکی بغل میں — تو پھر خامی ہے کیا ۔ اسکے عمل میں
یہ دورِ انحطاط آخر ہے کیسا؟ — بتائیں تو میاں فتنو یا خیرا
زمیں پر بھی ہے کچھ اسکی خلافت — مگر ہے چار سُو آفت ہی آفت
حفاظت کے اجارہ دار آکر — ڈٹے ہیں اپنی فوجوں کو جما کر
جنہیں کہتے ہیں ہم شاہانِ اسلام — زمیں اُن کی ہے پسماندہ و ناکام
اُدھر جب تیل کے چشموں پہ آئیں — مسلط اُن پہ یورپ کی بلائیں
فلک اس طرح شعلہ بار کیوں ہے — ہمارے درپئے آزار کیوں ہے؟
کہیں طغیانیاں آتی ہیں اکثر — کہیں ہے زلزلوں سے حال ابتر
یہ پُر آشوب کیوں دنیا جہاں ہے — خدا کی عافیت آخر کہاں ہے؟

کہا میں نے کہ ہاں مشکل ہے بھائی — مگر مشکل یہ رحمت ساتھ لائی
فضا جب آتشیں ہوتی ہے یکسر — تو گھر آتے ہیں بادل آسماں پر
یہ سب کہتے تھے حالاتِ زمانہ — کہ مولا بھیج دے کوئی یگانہ
مشیت کا شدت سے تقاضا — تو سمجھو ۔ آچکا ہے ۔ آنے والا
امن کا شاہزادہ تن کے آیا — رسول اللہ کا خادم بن کے آیا
نشاں یہ کیا عبث ہیں اور بے کار؟ — نہیں ۔ ان میں ہیں پنہاں لاکھ اسرار
وہ اُس کا مصلح موعود و مسعود — ہمارے درمیاں ہے آج موجود
"عمر" وہ "فضل" کی میراث والا — کرے گا دینِ حق کا بول بالا!
کفر کے مرکزوں میں جس کے خادم — بڑھے جاتے ہیں جھنڈے لے کے پیہم
بہت تھا فتنۂ دجال چھایا — تو وہ ۔ بس تیغِ برہاں لے کے آیا
جہاد اب ہو رہا ہے چار سُو دیکھ — رسول اللہ کا فرماں ہُو بہُو دیکھ
تنزل میں جو یوں کون و مکاں ہیں — تو یہ سب آنیوالے کے نشاں ہیں
طنابیں کھنچ رہی ہیں اب زمیں کی — مگر تم نے لگائی "رٹ" "نہیں" کی
میاں اُٹھ اور اللہ کی اماں مانگ — خدا کا فضل اور دار الاماں مانگ

نتیجہ امتحان سالانہ جامعۃ المبشرین

از مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل انچارج جامعۃ المبشرین قادیان

فسادات ۱۹۴۷ء کے بعد جہاں ہمارے دیگر تعلیمی ادارے بند ہو گئے تھے مبلغین کی تیاری کا کام بھی تاخیر میں پڑ گیا تھا کیونکہ جامعہ احمدیہ کے تمام پروفیسر اور طلب یہاں سے جا چکے تھے ۔ چونکہ ہندوستان میں تبلیغ کا کام جاری رکھنا ضروری تھا ۔ اس لئے فسادات کے بعد دیہاتی مبلغین کلاس قادیان میں جاری کی گئی ۔ جسے کچھ عرصہ تعلیم دینے کے بعد باہر بھجوا دیا گیا اور وہ متفرق جگہوں میں تبلیغی فریضہ ادا کر رہے ہیں ۔ اس کلاس کے بعد جامعۃ المبشرین کا اجراء ہوا اور حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد مبارک کے ماتحت علماء کلاس جاری کی گئی جس کا نصاب تعلیم چار سال کا رکھا گیا ہے ۔ جس میں تفسیر قرآن کریم ۔ حدیث شریف ۔ کلام ۔ منطق ۔ فقہ ۔ نحو ۔ ادب ۔ تاریخ انگریزی ۔ ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ اس کے ساتھ ایک اور کلاس کا بھی اضافہ کیا گیا ہے ۔ جس کا نصاب ایک سال کا ہے ۔ اس میں صرف ہندی کی تیاری کروائی جا رہی ہے ۔ ہردو کلاسوں میں چار چار طالب علم ہیں ۔ ہندی کلاس رتن کے امتحان کی تیاری کر رہی ہے ۔ یہ امتحان اگست میں ہونے والا ہے ۔ علماء کلاس کا دو سال کا نصاب ختم ہو چکا ہے ۔ جس کے بعد ان کا سالانہ امتحان ہو کر نتیجہ نکل چکا ہے ۔ نتائج امتحان حسب ذیل ہیں :-

۱	مولوی عمر علی صاحب بنگالی	۷۳۳/۱۰۰۰	اول
۲	مولوی عبد الحق صاحب	۶۳۵/۱۰۰۰	دوم
۳	مولوی محمد صادق صاحب ناقد	۵۹۴/۱۰۰۰	سوم
۴	مولوی محمد یوسف صاحب	۵۱۵/۱۰۰۰	چہارم

اس کے بعد بقیہ دو سال کے نصاب کی تعلیم شروع ہو گئی ۔ تمام بزرگان اور احباب کرام سے درخواست ہے ۔ کہ وہ اپنے ان عزیز طلباء کے لئے خاص طور پر دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو اپنے مفوضہ کام کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرنے کے مواقع عطا فرمادے ۔ اور پھر سلسلہ کا کام کما حقہ سر انجام دینے کی انہیں توفیق عطا فرمادے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی جو غرض ہے وہ جلد سے جلد پوری ہو ۔

کسی قسم کا چندہ زکوٰۃ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا

اکثر صاحب نصاب احباب فریضہ زکوٰۃ کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اسکی ادائیگی میں لاپرواہی سے کام لیتے ہیں ۔ حالانکہ زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور اسکی ادائیگی میں کوتاہی اسیطرح قابل مواخذہ ہے جس طرح کہ ترک صلوٰۃ ۔ زکوٰۃ مومن کے مال کو پاک کرتی ہے اسکے ادا کرنے سے صرف روحانی بیماریوں ہی سے شفایابی نہیں ہوتی بلکہ جسمانی اور ظاہری تکالیف اور مصائب سے بچنے اور نجات پانے کا بھی یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جیساکہ آیاتِ قرآنیہ سے واضح ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مالوں میں کمی نہیں آتی ۔ بلکہ اس کے ادا کرنے سے مومن کے مال میں برکت ڈالی جاتی ہے بعض احباب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے عائد کردہ لازمی چندہ جات کو غلط فہمی سے زکوٰۃ کا قائم مقام خیال کر کے اپنے آپ کو زکوٰۃ کی فرضیت سے سبکدوش سمجھتے ہیں ۔ مگر دوستوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے ۔ کہ کوئی اور لازمی یا طوعی چندہ زکوٰۃ کا قائم مقام تصور نہیں ہو سکتا ۔ اگر ہمارے دوست اور ہماری بہنیں اپنا اپنا محاسبہ کریں تو متعدد دیگر جنہوں نے عرصہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی ۔ اپنے آپ کو صاحب نصاب پائینگے ۔ لہذا اس اعلان کے ذریعہ جملہ احباب کو بالعموم اور جماعتوں کے عہدہ داروں کو بالخصوص توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کی اہمیت کو احباب جماعت پر واضح کریں ۔ اور سیکرٹریان مال دوسرے مرمدتی چندوں کے ساتھ باقاعدہ طور پر صاحب نصاب احباب کی فہرست معہ رقم زکوٰۃ تاریخ دابسی نظارت بیت المال کو مطلع فرمادیں تاکہ مرکز کی طرف سے براہ راست بھی بروقت ادائیگی کیلئے توجہ دلائی جا سکے ۔ نیز جن احباب پر زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو تو اُن سے جلد وصولی کا انتظام کر کے رقم مرکز میں بھجوا دیں ۔ (ناظر بیت المال قادیان)

احمدیوں کی وفاداری

اخبار ہند (جالندھر اور نئی دہلی) مورخہ ۵ جولائی بعنوان

"اگر احمدی بھارت آگئے تو"

تحریر کرتا ہے کہ:-

"کراچی کی طرح لاہور میں بھی اب یہ اندولن زوروں پر چل رہا ہے کہ مرزائیوں یعنی احمدیوں کو اسلام سے نکال کر غیر مسلم ٹھہرایا جائے۔ اور سر محمد ظفر اللہ خاں کو منتری منڈل سے ہٹا دیا جائے ...... ہم کو مرزائیوں سے ہمدردی ہے۔ لیکن بھارت سرکار سے اس سے بھی زیادہ ہمدردی ہے۔ اگر یہ احمدی پھر سے قادیان آنے لگے تو نہرو سرکار ان کا سواگت کرے گی۔ ایسی حالت میں بھارتیوں کے لئے مصیبت اور بھی بڑھ جائے گی۔ اناج بیکاری اور کام کی پہلے ہی تنگی ہے۔ اس سے اس میں اضافہ تو ہوگا ہی۔ نہ معلوم کتنے جاسوس اور بدیشی ایجنٹ اس بہانے بھارت میں گھس آئیں"۔

جہاں تک احمدیہ جماعت کی مخالفت کا سوال ہے اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا جب سے خدا تعالےٰ کی طرف سے اس روحانی سلسلہ کی داغ بیل ڈالی گئی ہے۔ یہ سلسلہ مخالفت کی آندھیوں اور مصائب کے طوفانوں میں ہی پروان چڑھ رہا ہے۔ موجودہ مخالفت اور تکفیر بازی سے جو پاکستان کے بعض سرپھرے مسلمان جن میں احراری طبقہ پیش پیش ہے کر رہے ہیں ہمیں خوف یا مایوسی نہیں۔ کیونکہ احمدیت کی گذشتہ ساٹھ سالہ تاریخ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جب بھی اس کے مخالفین کی مخالفت اور دشمنی میں زیادہ بڑھے اللہ تعالےٰ کی تائیدات اور نشانات بھی احمدیت کے حق میں زیادہ شان سے ظاہر ہوئے۔ اور ہر مخالفت احمدیت کے لئے ترقی اور بلندی کا باعث بنی۔ پھر جب ابتدائے آفرینش سے آج تک ایسی مخالفتیں اور دشمنیاں کسی الٰہی سلسلہ کو بھی نابود نہیں کر سکیں تو اب وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔

باقی رہا احمدیوں کو اسلام سے خارج کرنے کا سوال تو آج تمام دنیا میں حقیقی اسلام کا علمبردار سوائے احمدیوں کے اور کون ہے۔ کیا وہ لوگ جو ہمیں اسلام سے خارج کرنے کے در پے ہیں جن میں اسلام کا شاذ ہی کوئی حصہ اور نشان موجود ہے۔

آج یورپ، امریکہ، ایشیا، افریقہ اور آسٹریلیا میں احمدیوں کے سوا کون اسلام کے لئے سینہ سپر ہے؟ کون لوگ دنیا کے دور دراز علاقوں میں مساجد تعمیر کر رہے ہیں اور قرآن اور اسلام کی اشاعت زبانی اور تحریری کر رہے ہیں۔ پھر کون ہیں جو اپنے عمل نمونہ سے اور خدا کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر کے زندہ اسلام کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بٹھا رہے ہیں۔ کیا یہ احراری ملاں جو ہر ایک کو دائرۂ اسلام سے خارج بتاتے ہیں۔ یا احمدی؟

باقی معاصر ہند کا یہ تحریر کرنا کہ احمدیوں کے ہندوستان میں آنے سے ہندوستان کی مکانیت۔ خوراک اور کام پر کچھ اثر پڑے گا۔ اس کے متعلق ہم معاصر کو یقین دلاتے ہیں کہ اول تو کوئی احمدی مصائب اور تکالیف اور قربانی سے ڈر کر کسی ملک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ خواہ وہ ملک پاکستان ہو یا کوئی اور باقی ممالک۔ اناج اور کام میں دقت کا بھی معاصر کو خواہ مخواہ فکر دامنگیر ہو رہا ہے۔ کیا کوئی ہفتہ اور مہینہ ایسا بھی گذرتا ہے کہ جس میں سینکڑوں ہزاروں لوگ پاکستان سے ہندوستان نہیں پہنچتے۔ پھر اگر بھارت اپنی فیاضی سے ان لاکھوں آدمیوں کو قبول کر چکی ہے امداد کر رہی ہے اور ان کی سب ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔ تو اگر ہر لحاظ سے امن پسند اور مفید خلائق احمدی یہاں آجائیں گے تو ان کے لئے باوجود سیکولرازم کے اعلانات کے تنگ دلی کیوں!

احمدی کسی بے کار اور ناکارہ ٹولہ کا نام نہیں بلکہ وہ ایک منظم اور فعال جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر ملک کے لئے ان کا وجود باعث فخر اور زینت ہے۔

معاصر نے آخر میں یہ افسوسناک فقرہ بھی احمدیوں کے متعلق لکھا ہے کہ "نہ معلوم کتنے جاسوس اور بدیشی ایجنٹ اس بہانے بھارت میں گھس آئیں"۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کسی احمدی کو مخالفت اور اخراج از اسلام کے اعلانات سے ڈر کر بھارت آنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر احمدی جماعت کا کوئی فرد کسی وجہ سے بھارت میں مستقل پرمٹ حاصل کر کے بذریعہ پاسپورٹ آئے گا بھی۔ تو وہ انشاء اللہ اپنی روایات اور تعلیم کے مطابق بھارت کے قانون کا پابند اور وفادار اور امن پسند شہری ہوگا۔ وہ کسی سٹرائک اور عدم تعاون کی تحریک میں حصہ نہ لے گا۔ کوئی ایجی ٹیشن نہ کرے گا کسی باغیانہ تحریک میں شامل نہ ہوگا بلکہ اس کے وجود سے ہر رنگ میں تعمیری کاموں میں ملک و قوم کو مدد ملے گی۔ کیونکہ ہر احمدی کا یہ عقیدہ ہے جس پر ہمیشہ سے وہ کاربند چلا آتا ہے۔ کہ وہ جس حکومت یا ملک میں بھی رہے اس کے قانون کی پابندی کرے۔ افسران کے ساتھ ہر طرح تعاون کرے اور اس ملک کا وفادار ہو۔

احمدیہ جماعت کے افراد نے تو بلا استثناء ہر ملک میں اس اصول پر عمل کر کے اعلےٰ نمونہ پیش کیا ہے اور بھارت کے احمدی بھی نہایت عمدگی سے اس اصول کے مطابق زندگی گذار رہے ہیں مگر کیا یہ بات افسوسناک نہیں کہ معاصر ان لوگوں کو تو جو ایجی ٹیشن اور بغاوت کرنے کے عادی رہ چکے ہیں اور جو اصولاً اس کو جائز سمجھتے ہیں ملک کا خیر خواہ اور وفادار سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اس جماعت کے متعلق خواہ مخواہ الزام تراشی کرتا ہے جو اپنے کردار اور تعلیم کے اعتبار سے اور اپنے اعلےٰ نمونہ کے لحاظ سے اس وقت دنیا کی تمام جماعتوں میں ممتاز اور نمایاں ہے اور جس کے اعلےٰ اخلاق اور پُر امن تعلیم کو غیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ آخر معاصر کو کچھ تو انصاف سے کام لینا چاہیئے۔ جس جماعت کے اخلاق کو نہ صرف ہندوستان میں رہنے والے لاکھوں باخبر اور معزز افراد اچھی طرح جانتے ہیں۔ بلکہ بیرونی ممالک میں جانے اور رہنے والے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی بھی بخوبی جانتے ہیں۔ اس کے متعلق اگر معاصر خواہ مخواہ غلط پراپیگنڈا کرے گا۔ تو اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اور چاند پر تھوکنے سے چاند کا کیا بگڑ سکتا ہے۔

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

معاصر ہند مورخہ ۷ جولائی ۱۹۵۲ء میں بعنوان "کتے بھونکتے رہتے ہیں" ایک مسلم اخبار کو اس کا اگرچہ نام نہیں لیا۔ لیکن جس کی تعیین نفس مضمون سے ہوتی ہے بہت جلی کٹی سنائی ہیں۔ اس ضمن میں کہیں راکھشوں کے ساتھ سلوک کا ذکر کیا ہے اور کہیں گوشت کے ناش کرنے کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

اگر مسلم اخبار کا مضمون قابل اعتنا نہ تھا جیسا کہ معاصر نے لکھا ہے اور ردی کی ٹوکری میں پھینکے جانے کے لائق تھا۔ تو اس پر اس طرح پر فکر کی کیا ضرورت ... اور ایسے نامناسب الفاظ استعمال کرنے کی کیا حاجت تھی جن کا استعمال یقیناً بھارت کیلئے باعث عزت نہیں اور نہ بھارت کی پرچین تہذیب کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال باعث فخر ہو سکتا ہے اگر مسلم اخبار نے معاصر کو احترام اور شرافت سے اس طرف توجہ دلائی کہ غلط تاریخی اقتباسات تحریر میں لا کر اور پرانے بزرگوں پر خواہ مخواہ غلط اور بے بنیاد الزام لگا کر کروڑوں مسلمانوں کے دل نہ دکھانے چاہئیں اور ایسی تحریرات نہ لکھنی چاہئیں جن سے بھارت کی مختلف قوموں میں باہمی کشیدگی اور انشقاق پیدا ہو۔ اگر مسلم اخبار نے ان بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کے لئے پنڈت جواہر لال صاحب نہرو جیسی شخصیت کی تحریرات سے حوالہ جات دیکر معاصر موصوف کا منہ بند کیا تو اس میں کونسی قباحت اور برائی لازم آتی تھی جس کی وجہ سے معاصر کو خواہ مخواہ دشنام طرازی کی ضرورت پیش آئی۔

معاصر موصوف کو چاہیئے تھا کہ وہ ان دلائل پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا اور وہ راہ اختیار کرتا جو ملک و قوم کے لئے مفید اور اس کی ترقی کے لئے ممد ہے ... کہ خواہ مخواہ گالیاں نکال کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتا۔ اور سنجیدہ طبقہ کے دلوں میں اپنی وقعت کو گراتا۔ امید ہے کہ معاصر اپنے اس قول کے مطابق کہ "نیک اور سچے لوگوں کو سمجھایا جا سکتا ہے" سمجھنے کی کوشش کرے گا۔

درخواست ہائے دعا

ڈاکٹر غلام قادر صاحب جھنگ ضلع شیخوپورہ تحریر کرتے ہیں کہ ان کے والد چوہدری نبی بخش صاحب جو حضرت اقدس علیہ السلام کے صحابی ہیں اور ان کا لڑکا بیمار ہیں۔ صحت یابی کے لئے دعا فرماویں۔

خطبہ جمعہ

رمضان بڑی برکتیں لیکر آتا ہے مومن کو چاہیئے کہ اس سے فائدہ اٹھائے

جہاں اللہ تعالیٰ نے روزہ سے منع فرمایا ہے وہاں روزہ نہ رکھو لیکن جہاں روزہ رکھنے کا حکم ہے وہاں روزہ ضرور رکھو!

از سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۶ر جون ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ

مرتبہ: سلطان احمد صاحب پیر کوٹی

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آئت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔ یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۵ اس کے بعد حضور نے فرمایا۔

آج

رمضان کا دوسرا جمعہ

ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مسلمانوں کو پہلے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ دنیا میں بعض تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو منفرد ہوتی ہیں۔ اکیلے انسان پر آتی ہیں۔ اور وہ ان سے گھبراتا ہے شکوہ کرتا ہے کہ میں ان تکالیف کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن بعض تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں جن میں سارے لوگ شریک ہوتے ہیں ان تکالیف پر جب کوئی انسان گھبراتا ہے شکوہ کرتا ہے تو لوگ اسے یہ کہہ کر تسلی دیا کرتے ہیں۔ کہ میاں یہ دن سب پر آتے ہیں اور کوئی شخص امید نہیں کر سکتا کہ وہ ان تکلیفوں سے بچ جائے۔ کوئی عقلمند یہ کوشش نہیں کرتا کہ وہ ان تکلیفوں سے بچ جائے۔ مثلاً موت ہے۔ موت ہر انسان پر آتی ہے۔ دنیا میں کوئی احمق سے احمق انسان بھی ایسا نہیں مل سکتا۔ جو کہے کہ میں کوشش کر رہا ہوں کہ مجھ پر موت نہ آئے۔ موت اس پر ضرور آئے گی۔ چاہے چند دن پہلے آئے یا بعد میں کما کتب علی الذین من قبلکم کہہ کر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو

اس طرف توجہ دلائی ہے

کہ روزے ایسی نیکی۔ ثواب اور قربانی ہیں جن میں سارے ہی ادیان شریک ہیں۔ عیسائی بھی اس میں شریک ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بدروحوں کو نکالنا سوائے روزے اور دعا کے نہیں ہو سکتا یہودی بھی اس میں شریک ہیں وہ بھی روزے رکھتے ہیں۔ ہندو۔ زرتشتی اور دوسری قومیں بھی اس میں شریک ہیں۔ غرض ساری اقوام کسی نہ کسی رنگ میں روزے رکھتی ہیں۔ اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے مسلمانو۔ تم اپنے آپ کو خیر الامم کہتے ہو۔ تم اپنے آپ کو آخری امت کا نام دیتے ہو پھر کتنے افسوس کی بات ہے۔ کہ وہ نیکی اور تقویٰ جس کے حصول کے لئے ساری قومیں کوشش کرتی ہیں تم اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہو تم اس سے گریز کرتے ہو۔ اگر یہ کوئی نیا حکم ہوتا۔ اگر روزے صرف تم پر ہی فرض ہوتے تو تم دوسرے لوگوں کو کہہ سکتے تھے۔ کہ تم اسے کیا جانو تم نے اس کا مزہ چکھا ہی نہیں تمہیں ہماری تکلیفوں کا احساس کیسے ہو سکتا ہے لیکن وہ لوگ جو اس دروازے میں سے گذر چکے ہیں۔ جو اس بوجھ کو اٹھا چکے ہیں۔ انہیں تم کیا جواب دو گے۔ لازماً

مسلمانوں پر حجت

انہی احکام میں ہو سکتی ہے۔ جو پہلی قوموں کو بھی دیئے گئے۔ اور انہوں نے ان احکام کو پورا کیا۔ لیکن مسلمانوں نے ان سے گریز کیا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے مسلمانو! تم ہوشیار ہو جاؤ ہم تم پر روزے فرض کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی تمہیں بتا دیتے ہیں کہ روزے پہلی قوموں پر بھی فرض کئے گئے تھے اور انہوں نے اس حکم کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کیا تھا۔ اگر تم اس حکم کو پورا کرنے میں سستی کرو گے تو وہ قومیں تم پر اعتراض کریں گی اور کہیں گی ہمیں بھی خدا تعالیٰ نے روزوں کا حکم دیا تھا۔ اور ہم نے اُسے پورا کیا ہے۔ اب تم پر

روزے فرض کئے گئے

ہیں۔ تو تم اس حکم کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتے ہو غرض مسلمانوں کی غیرت اور ہمت کو بڑھانے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ روزے صرف تم پر ہی فرض نہیں کئے گئے بلکہ پہلی قوموں پر بھی فرض کئے گئے تھے۔ اور ان قوموں نے اپنی طاقت کے مطابق اس حکم کو پورا کیا تھا۔ پھر فرماتا ہے تم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس حکم کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس حکم کے کئی فائدے ہیں۔ فرماتا ہے لعلکم تتقون یہ روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں۔ تاکہ تم بچ جاؤ۔ اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک معنی تو یہی ہیں کہ ہم نے تم پر روزے فرض کئے ہیں۔ تا تم ان قوموں کے اعتراض سے بچ جاؤ۔ جو روزے رکھتی رہی ہیں۔ جو بھوک اور پیاس کی تکلیف کو برداشت کرتی رہی ہیں۔ جو

موسم کی شدت

کو برداشت کر کے خدا تعالیٰ کو خوش کرتی رہی ہیں۔ اگر تم روزے نہیں رکھو گے تو وہ کہیں گی تمہارا دعویٰ ہے۔ کہ ہم باقی قوموں سے روحانیت میں بڑھ کر ہیں لیکن وہ تقویٰ تم میں نہیں جو دوسری قوموں میں پایا جاتا تھا۔ غرض اگر اسلام میں روزے نہ ہوتے تو مسلمان دوسری قوموں کے سامنے ہدف ملامت بنے رہتے۔ عیسائی کہتے یہ بھی کوئی مذہب ہے اس میں روزے نہیں۔ جن سے قلوب کی صفائی ہوتی ہے جن کے ساتھ روحانی ساکھ بیٹھتی ہے جن کے ذریعے انسان بدی سے بچتا ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ ہم نے سینکڑوں سال روزے رکھے لیکن مسلمانوں میں روزے نہیں۔ اسی طرح زرتشتی ہندو اور دوسری سب قومیں کہتیں اسلام بھی کوئی مذہب ہے۔ اس میں روزے نہیں ہم روزے رکھتے ہیں۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں غرض ساری دنیا متحدہ طور پر مسلمانوں کے مقابلہ میں آجاتی اور کہتی مسلمانوں میں روزے کیوں نہیں۔ پس فرمایا۔ اے مسلمانو! ہم تم پر روزے فرض کرتے ہیں۔ لعلکم تتقون تا تم دشمن کے اعتراضات سے بچ جاؤ۔ اگر اسلام میں روزہ نہ ہوتا۔ یا تم روزے نہ رکھتے تو غیر مذاہب والے تم پر جائز طور پر اعتراض کرتے اور تم ان کی نگاہوں میں حقیر ہوتے۔

لعلکم تتقون میں

دوسرا اشارہ

اس طرف ہے۔ کہ اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ روزہ دار کا محافظ بن جاتا ہے کیونکہ اتقاء کے معنی ہیں ڈھال بنانا۔ وقایہ بنانا۔ نجات کا ذریعہ بنانا پس تتقون کے معنی ہوئے تاکہ تم خدا تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنا لو جو لوگ روزے رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے۔ اسی لئے روزے کے ذکر کے بعد خدا تعالیٰ دعا کی قبولیت کا ذکر کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے میں دعاؤں کو سنتا ہوں پس روزے خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے والی چیز ہیں۔ روزے رکھنے والا خدا تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنا لیتا ہے۔ اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ روزہ رکھنے والا برائیوں اور بدیوں سے بچ جاتا ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے۔ روزہ اس چیز کا نام نہیں کہ کوئی اپنا منہ بند رکھے۔ اور سارا دن نہ کچھ کھائے اور نہ پیئے بلکہ روزہ یہ ہے کہ منہ کو کھانے پینے سے ہی نہ روکا جائے بلکہ اُسے ہر روحانی نقصان دہ اور ضرر رساں چیزوں سے بھی بچایا جائے۔ اب دیکھو زبان پر قابو رکھنے کا حکم تو ہمیشہ کے لئے ہے۔ لیکن روزہ دار خاص طور پر زبان پر قابو رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگر کوئی شخص ایک مہینہ تک اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے تو یہ امر باقی گیارہ مہینوں میں اس کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ لوگ روزہ ٹوٹنے سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ اس لئے وہ خاص طور پر اسی مہینہ میں ایسی چیزوں سے بچتے ہیں لیکن

مصیبت یہ ہے

کہ ہمارے ہاں تو روزوں کو حقیر سمجھ لیا گیا ہے اور یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ روزہ روٹی نہ کھانے اور پانی نہ پینے کا نام ہے۔ حالانکہ درحقیقت روزہ اس چیز کا نام ہے کہ انسان جائز اور ناجائز چیز کو خدا تعالیٰ کے حکم سے چھوڑ دے۔ اور جب وہ

خدا تعالےٰ کے حکم سے روٹی کھانا چھوڑ دے پانی پینا چھوڑ دے بیوی سے تعلقات قائم کرنا جو جائز ہے چھوڑ دے۔ اس لئے کہ ایسا کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے کہا ہے لیکن وہ جھوٹ نہ چھوڑے۔ غیبت نہ چھوڑے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائیگا اگر وہ گالی گلوچ نہ چھوڑے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا غرض جتنی چیزوں میں انسان کا نفس استعمال ہوتا ہے مادی طور پر یا روحانی طور پر ان ساری چیزوں سے بچنے کا نام روزہ ہے۔

روزہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے

کہ جب تم جائز امور کو بھی خدا تعالےٰ کی خاطر چھوڑ دیتے ہو۔ تو کیوں ناجائز امور کو نہ چھوڑو گے۔ روزہ رکھنے والا یہ نہیں کہتا کہ میں شراب نہیں پیؤں گا کیونکہ شراب پینا پہلے ہی منع ہے۔ روزہ رکھنے والا یہ نہیں کہتا کہ میں سؤر کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ سؤر کا گوشت تو وہ ہمیشہ ہی نہیں کھاتا۔ روزہ دار یہ نہیں کہتا کہ میں مردار نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ مردار تو وہ ہمیشہ ہی نہیں کھاتا۔ وہ رمضان میں فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کیا کیا چیزیں نہیں کھاتا۔ وہ ایسی چیزیں نہیں کھاتا جو حلال اور طیب ہیں۔ وہ گوشت نہیں کھاتا جو جائز ہے۔ وہ ترکاری نہیں کھاتا جو جائز ہے۔ وہ پانی نہیں پیتا جو جائز ہے۔ وہ کھجور نہیں کھاتا جس سے روزہ کھولنا مستحب سمجھا گیا ہے۔ غرض ایک روزہ دار تمام ان طیبات کو چھوڑ دیتا ہے۔ جن سے پرہیز کرنے اور انہیں چھوڑنے کو دوسرے دنوں میں خدا تعالےٰ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ وہ

خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق

انہیں چھوڑ دیتا ہے۔ اور افطار تک پرایران سے پرہیز کرتا ہے۔ اور جب ایک شخص تمام حلال اور طیب چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اس لئے کہ وہ روزہ دار ہے یہ تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ناجائز چیزوں کو نہ چھوڑے۔ ایک ترکاری چھوڑ دیتا ہے جو جائز ہے گوشت کھانا ترک کر دیتا ہے جو جائز ہے۔ روٹی کھانا چھوڑ دیتا ہے جو جائز ہے۔ پانی پینے سے اور مٹھائی کھانے سے پرہیز کرتا ہے۔ جو جائز چیزیں ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ناپاک اشیاء کھانے لگ جائے۔ کیونکہ گندے الفاظ کا منہ سے نکالنا۔ جھوٹ بولنا۔ گالی گلوچ۔ غیبت یہ سب نجاستیں ہیں۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ کوئی شخص کہے میں نے ساری چیزوں کے استعمال نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ اور پھر گندی چیزیں کھانے لگ جائے۔ اور جب کوئی پوچھے تو کہے میں نے تو اچھی چیزوں سے پرہیز کیا ہے بُری چیزوں سے نہیں۔ ہر شخص یہ کہے گا کہ یہ جہالت ہے۔ جب ایک شخص ایسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے۔ جو مرغوب ہے۔ پسندیدہ ہے۔ حلال ہے۔ طیب ہے۔

خدا تعالیٰ کا عطیہ اور نعمت ہے

تو جن چیزوں سے خدا تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔ انہیں وہ کیسے اختیار کرے گا۔ غرض روزہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہم ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیں جو ناجائز اور ناپسندیدہ ہیں۔ اور ایک ماہ کے عمل کے بعد اگر انسان چاہے تو ایسی چیزوں سے پرہیز کی عادت پڑ جاتی ہے۔ کسی کو تمباکو پینے کی عادت پڑ جائے تو وہ کہتا ہے۔ میں تمباکو چھوڑ نہیں سکتا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں اگر کوئی نشہ پانچ چھ دن تک چھوڑ دیا جائے۔ تو وہ چھوٹ جاتا ہے مثلاً افیون ہے۔ اگر کوئی شخص پانچ سات دن تک افیون کھانا ترک کر دے۔ تو وہ اُسے مستقل طور پر چھوڑ سکتا ہے شراب ہے اگر کوئی شخص پانچ چھ دن تک اُسے چھوڑ دے۔ تو وہ اُسے مستقل طور پر چھوڑ سکتا ہے۔ بھنگ ہے چرس ہے اور دوسرے نشے ہیں اگر ان کا استعمال سات آٹھ دن تک چھوڑ دیا جائے تو یہ مستقل طور پر چھوٹ جاتے ہیں۔ غرض

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

تم ایک ماہ تک پرہیز کرو۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی شخص ان نشوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو یہ عادت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اپنی مرضی سے ہوتا ہے۔ مثلاً گالی دینے کی عادت ہے اگر ایک ماہ تک وہ اس سے پرہیز کر لے تو نتیجۃً یہ عادت چھوٹ جائے گی۔ اگر بھنگ پینا۔ چرس پینا۔ افیون کھانا۔ شراب پینا۔ تمباکو پینا یہ سب عادتیں سات آٹھ دن تک چھوڑ دینے سے مستقل طور پر چھوٹ جاتی ہیں تو کون سی

بد عادتیں

ہیں جو ایک ماہ تک ترک کرنے کے بعد چھوٹ نہ جائیں۔ ایک ماہ تک اگر ناپسندیدہ اور ناجائز چیزوں سے پرہیز کیا جائے تو وہ یقیناً مستقل طور پر چھوٹ جائیں گی۔ بشرطیکہ کوئی شخص بعد میں خود ان میں مبتلا نہ ہو جائے اگر کوئی شخص فجر سے غروب آفتاب تک کھانا نہیں کھاتا۔ پانی نہیں پیتا لیکن چغلی کرنا جھوٹ بولنا اور بدگوئی کرنا نہیں چھوڑتا تو وہ یہ امید کیسے کر سکتا ہے کہ رمضان کے بعد وہ ان سے بچ جائے گا۔ یہ چیز عقل کے خلاف ہے لیکن جو شخص رمضان کو سب شرائط کے ساتھ گزارے وہ اس سے فائدہ اُٹھا لیتا ہے۔ اول خدا تعالےٰ اس کا محافظ بن جاتا ہے۔ دوسرے وہ دشمن کے اعتراضات سے بچ جاتا ہے تیسرے بد عادتوں سے بچ جاتا ہے غرض

رمضان میں بہت سے فوائد

اور برکتیں ہیں۔ لیکن بہت کم لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جہاں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو شدت میں پڑ جاتے ہیں۔ یعنی جن میں خدا تعالےٰ نے روزہ رکھنا منع کیا ہے۔ ان دنوں میں بھی وہ روزہ رکھتے ہیں۔ بیماری میں روزہ رکھنا منع ہے۔ لیکن وہ باوجود بیمار ہونے کے باوجود روزہ رکھتے ہیں۔ بڑھاپے میں قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اور روزہ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایسی حالت میں روزہ رکھنا فرض بھی نہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہوتی ہے۔ وہ بیمار بھی نہیں ہوتے ایسے بوڑھے بھی نہیں ہوتے۔ جن کے قویٰ مضمحل ہو گئے ہوں۔ لیکن وہ روزہ نہیں رکھتے اور بہانے بناتے ہیں۔ دنیا میں

دو باتوں کی وجہ سے

انسان کسی چیز سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اول یہ کہ صرف اُسے حکم دیا گیا ہے۔ دوسرے کو نہیں۔ ایک بچے کو کوئی کام کرنے کے لئے کہا جائے۔ تو وہ بھی کہتا ہے کہ مجھے ہی کہتے ہیں۔ دوسرے بھائی کو نہیں کہتے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کا جواب دیدیا ہے۔ فرماتا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔

اے مسلمانو ہم نے تم پر روزے فرض کئے ہیں۔ اور صرف تم پر ہی روزے فرض نہیں کئے۔ بلکہ ہم نے ان لوگوں پر بھی

روزے فرض کئے تھے

جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔ گویا ہم نے صرف تمہیں روزہ رکھنے کے لئے نہیں کہا۔ بلکہ تم سے پہلے تمہارے بھائیوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اور انہوں نے اس حکم کو نباہا۔ پھر لوگ کہتے ہیں۔ اس حکم کا فائدہ کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اس کے کئی فائدے ہیں۔ اس سے میری رضا حاصل ہوتی ہے محنت کشی کی عادت پڑتی ہے۔ قربانی کی عادت پڑتی ہے۔ نیکی اور تقویٰ کی عادت پڑتی ہے اور پھر تم دوسری قوموں کے اعتراضات سے بھی بچ جاتے ہو۔

غرض رمضان بڑی برکتیں لے کر آیا ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے۔ جہاں خدا تعالےٰ نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ وہاں مناسب یہی ہے کہ روزہ نہ رکھا جائے۔ لیکن جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے روزہ رکھو وہاں ہر شخص کو

کوشش کرنی چاہیئے

کہ وہ روزہ رکھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں روزہ رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے ہم روزہ نہیں رکھتے۔ یہ ایک ایسی بات ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کپڑا پہنو۔ اس سے تمہارا ننگ ڈھک جائے گا۔ لیکن وہ کہے میں کپڑا نہیں پہنتا۔ اس سے میرا جسم ڈھک جاتا ہے۔ روزہ کی حکمت ہی یہی ہے۔ کہ اس سے تکلیف برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ بعض قربانیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان آرام سے کر لیتا ہے۔ اور بعض قربانیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں قربانی کرنے والے کو تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ روزے بھی اسی قسم کی قربانیوں میں سے ہیں۔ جو انسان کو تکلیف میں ڈالتی ہیں۔ اس کے ذریعہ انسان تقویٰ اور طہارت کے حصول کے علاوہ جفاکش بھی ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے ان قربانیوں کی بھی عادت پڑتی ہے۔ جن میں انسان کو تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً جہاد ہے۔ جہاد میں گرمی کو برداشت کرنا پڑتا ہے

کھانے پینے کی دقتیں

برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ روزے رکھنے والے کو یقیناً جہاد دوسروں سے زیادہ آسان معلوم ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی قربانیاں اور خدمتیں ہیں۔ جو رمضان کی وجہ سے آسان ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص روزے نہیں رکھتا اور بہانہ یہ بناتا ہے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے کسی شخص کو کہا جائے۔ تم روٹی کھاؤ تو وہ کہے کہ میں روٹی نہیں کھاتا۔ میرا پیٹ بھر جائے گا۔ اسے کہا جائے گا تم پانی پیو۔ تو وہ کہے میں پانی نہیں پیتا میری پیاس بجھ جائے گی! اسے کہا جائے تم کپڑا پہنو۔ تو وہ کہے میں کپڑا نہیں پہنتا۔ اس سے میرا جسم ڈھک جائے گا۔ حالانکہ روٹی کی غرض ہی یہی ہے۔ کہ پیٹ بھر جائے۔ پانی پینے کی غرض ہی یہی ہے کہ پیاس بجھ جائے۔ اور لباس پہننے کی غرض ہی یہی ہے کہ جسم ڈھک جائے۔ (الفضل)

درخواست دعا

مکرم مولوی محمد عبد اللہ صاحب افسر لنگر خانہ قادیان فرماتے ہیں کہ ان کے نسبتی بھائی چوہدری محمد شفیع صاحب کی اہلیہ دیر سے بیمار ہیں۔ احباب ان کی صحت یابی کے لئے خاص طور پر دعا فرمائیں۔

اسلام کے ارکان اور ان کی روحانی حیثیت

منقول از ہفت روزہ رفتار زمانہ - لاہور

روحانی عبادت کے ظاہری اعمال

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے مخالفوں نے اور نہ اسلام کے نام نہاد حامیوں نے ان روحانی مطالب کو سمجھا ہے یا سمجھنے کی صحیح طور پر کوشش کی ہے۔ جو اسلام کے ہر حکم اور ہر عمل میں پوشیدہ ہیں ارتقاء و تنزل کے وہی اصول جن سے انہوں نے بعض نتائج اخذ کئے ہیں ان کے نتائج کی پوری پوری تغلیط کرتے ہیں کوئی مذہب بھی جس نے اخلاق کی درستی یا بنی نوع انسان کے کسی طبقہ کی روحانی ترقی کے متعلق کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ عبادت کے ظاہری اور جسمانی اعمال سے بے نیاز نہیں ہوا۔ مختلف دوروں میں سے کوئی مذہب گذرتا ہے اور جو زیر بحث تقویری کی تائیدیں بطور مثال پیش کئے گئے ہیں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ صرف مذہب کے ایک پہلو کو نظر انداز کر دینے اور دوسرے کے نامناسب طور پر بہت زیادہ اہمیت دینے کا نتیجہ ہیں۔ جہاں بھی ظاہری امور کی بہت زیادہ پابندی سے تنزل و انحطاط رونما ہوا ہے۔ وہاں اس کا باعث ظاہری رسوم پر عمل اور دینی اعمال میں ان کا بطور جزو شامل رہنا نہ تھا۔ بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ خود انہی کو منتہائے مقصود سمجھ لیا گیا۔ اور مذہب کے روحانی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا لیکن اس کے برعکس انتہائی روحانی ترقی کے زمانوں میں بھی ظاہری اعمال کا کامل ترک ممکن نہیں ہوا :-

بمقابلہ اسلام دیگر مذاہب میں جزوی پابندیاں

علاوہ ازیں اسلام اور دیگر مذاہب کی اصولی تعلیم میں بہت بڑا فرق ہے۔ ژند اوستا بید وں اور بائیبل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے کاموں کے متعلق اس قدر دقیق اور تفصیلی قواعد بتائے گئے ہیں کہ ایک مسلمان اس قسم کی تفصیلات کا عادی نہ ہونے کی وجہ سے حیران رہ جاتا ہے کہ ان کتابوں کے پیرووں نے کس قدر مقید اور پابند زندگیاں بسر کیں۔ مثال کے طور پر کتاب خروج باب ۲۵ تا ۳۱ میں معبد کی تعمیر اس کے مختلف حصوں میں استعمال ہونے والی لکڑی کے اقسام۔ کپڑوں اور زردوزی کے سوت رنگ اور قسم قربانگاہ۔ صندوق کفارے کے سرپوش۔ میزوں شمعدان۔ پردوں تختوں اور سلاخوں کی آرائش۔ کاہنوں کی پوشاک۔ حضرت ہارون اور ان کے بیٹوں کے مقدس پارچات اور زیورات اور اسی قسم کے اور بہت سے امور کے متعلق اس قدر تفصیلی ہدایات درج ہیں۔ کہ انسان کو سخت حیرت ہوتی ہے۔ اور وہ حیران ہو کر سوچتا ہے۔ کہ ان تمام احکام کو لفظاً بلفظ یاد رکھنے اور انہیں بجا لانے کے لئے حضرت موسےٰ علیہ السلام اور ان کے پیرووں کی یادداشت کس قدر زبردست ہو گی۔ اسی طرح عبادت اور اسی نوع کے دوسرے امور کے مختلف طریقوں اور اقسام کو باقاعدہ طور پر بجا لانے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ ژند اوستا میں پانی کو محفوظ رکھنے اور آگ مقدس کی حفاظت کرنے تک کے قواعد بیان کئے گئے ہیں لیکن اسلام کے مقرر کردہ ظاہری طریقے اور بیرونی اعمال اس قدر محدود اور معین ہیں کہ اگر ایک اوسط درجہ کے مسلمان کو جو اپنے تمام مذہبی فرائض باقاعدہ طور پر بجا لانے کا عادی ہو۔ مذکورہ بالا کتب میں سے کسی ایک کے قواعد و اصول پر چلنے کا حکم دیا جائے۔ تو اس کے لئے زندگی وبال ہو جائے گی۔

اسلامی عبادات کے ظاہری طریقوں میں حکمتیں

پھر یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام صرف ظاہری طریقوں پر ہی زور دیتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ظاہری طریق عبادات کے حصے کے طور پر اسلام میں بھی موجود ہیں۔ لیکن ان کو صرف ان مواقع پر اور اسی حد تک استعمال میں لایا جاتا ہے جس حد تک کہ ان پر عمل کرنے سے جسمانی یا روحانی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز روزہ حج اور زکوٰۃ میں ظاہری طریق صرف اسی حد تک اختیار کئے گئے ہیں جس حد تک وہ روحانی ترقی یا بنی نوع انسان کی بہبودی میں ممد و معاون ہیں۔

سب سے پہلے ہم نماز کو لیتے ہیں نماز مکمل کرنے کے لئے ایک مسلمان کے لئے وضو کرنے کے بعد ضروری ہے کہ وہ نماز کو بعض معین طریقوں سے ادا کرے۔ اب ظاہر ہے کہ وضو چند بیرونی اعضاء یعنے ہاتھ۔ مونہہ۔ ناک۔ چہرہ۔ سر۔ بازو۔ اور پاؤں کی صفائی کا نام ہے۔ اور بلاشبہ بہت سے مسلمان عاقتاً بھی نہایت پاک و صاف حالت میں رہتے ہیں۔ اور کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر وضو ایسے اشخاص کے لئے ضروریات فائدہ بخش ہو سکتا ہے جن کی عادت پسندیدہ طور پر صاف اور پاکیزہ نہیں۔ تو ان لوگوں کے لئے جن کی صفائی میں وہ کچھ اضافہ نہیں کرتا یہ واضح طور پر ایک غیر ضروری اور زائد چیز ہے۔ لیکن قطع نظر اس بات کے کہ اسلام کے احکام امیر و غریب اور صفائی پسند اور ناصاف کے لئے یکساں ہیں۔ وضو کا مقصد صرف جسمانی صفائی میں اضافہ ہی نہیں بلکہ ایک صاف ستھرا مسلمان وضو سے اسی قدر روحانی فائدہ حاصل کر سکتا ہے جس قدر ایک ناصاف انسان ان تمام اعضا کو دھوتا ہے جو انسان کو گناہ کی طرف لے جاتے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کے روبرو پیش کرنے کے لئے ایک عبادت گزار کو تمام بد اخلاقی کے دھبے دھو ڈالنے چاہئیں۔ اور اسے اپنے آپ کو اخلاقی اور باطنی لحاظ سے اسی طرح پاکیزہ بنانا چاہیئے۔ جس طرح وضو اسے جسمانی لحاظ سے پاکیزہ بناتا ہے۔ انسان کے تمام گناہ۔ ہاتھوں۔ پاؤں۔ آنکھوں۔ ناک اور مونہہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور وضو کے حکم میں جو ان اعضاء کی کامل صفائی کی تلقین کرتا ہے استعارۃً اس امر کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ کہ عبادت گذار انسان کو کامل اخلاقی صفائی اختیار کرنی چاہیئے۔ جس طرح وضو میں وہ ان اعضا کو ہر قسم کی غلاظت سے پاک و صاف کرتا ہے اسی طرح اسے تمام برے اعمال سے انہیں پاک رکھنا چاہیئے۔

وضو کی حکمت کی تصدیق ایک نئی ایجاد سے

علاوہ ازیں یہ ایک مسلم امر ہے۔ کہ ہمارے خیالات مسلسل طور پر ہمارے ہاتھوں۔ پاؤں ناک اور مونہہ وغیرہ اعضاء کے راستہ بہتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح ایک مستقل کیفیت اضمحلال پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک فرانسیسی ماہر سائنس نے اس بات کی ایک نہایت پر لطف اور ہدایت آموز مثال پیش کی ہے۔ اس نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس کا نام "پلانشیت" Planchetta ہے۔ اس کے ایک پہیئے پر ایک سلیٹ ہوتی ہے جس کے ساتھ پنسل لگی ہوتی ہے۔ یہ آلہ ایک نہایت سہل عمل سے استعمال کرنے والے کے خیالات کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔ آپ کو صرف سلیٹ کی سطح پر نہایت آہستگی سے اپنی انگلیوں کے سرے رکھنے کی ضرورت ہے۔ آلہ خود بخود اس خیال کو جو سب سے زیادہ آپ کے دماغ میں جاگزین ہو ریکارڈ کرے گا۔

خیالات کا یہ مسلسل بہاؤ صرف اسی صورت میں رک سکتا ہے کہ اعضاء کو پانی سے گیلا کیا جائے۔ سرد پانی اس بارے میں نہایت مؤثر علاج ہے۔ دماغی توحش اور سراسیمگی کے لمحات میں سرد پانی سے وضو انسان کو کامل سکون کی حالت میں لے آتا ہے۔ اور اس سے تسکین و اطمینان کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے بغیر انسان اپنے خالق کے روبرو حاضر ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی وضو کرنے کے لئے سرد پانی استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔

وضو کے ذریعہ ظاہری صفائی

وضو سے حاصل ہونے والے یہ صرف چند ایک فوائد ہیں۔ لیکن وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ وضو محض ایک ظاہری علامت نہیں۔ اسلام نے روزانہ کم از کم پانچ دفعہ وضو مقرر کیا ہے۔ جو نہ صرف جسمانی صفائی کو بڑھاتا ہے بلکہ اس سے ایسی سکینت قلبی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے انسان اپنے روزمرہ کے کاموں کو بغیر کسی اضطراب کے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ انجام دے سکتا ہے۔ مزید برآں وضو کے جسمانی فوائد بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ اور وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمان جو روزانہ پانچ نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتا ہے۔ اپنے جیسی معاشرتی زندگی رکھنے والے یورپینوں کی اکثریت کے مقابلہ میں جسمانی صفائی کا ایک اعلیٰ معیار پیش کرتا ہے۔ یورپ کی آبادی کے بعض حصوں میں جبری وضو کا جو طریق رائج کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں فی الحقیقت ان کی زندگیاں موجودہ صورت حالات کی نسبت زیادہ صاف پاکیزہ اور پر مسرت ہو جائیں گی۔

نماز کی ظاہری حرکات میں حکمت

اسی طرح اسلامی نمازیں جو مختلف ظاہری حرکات اختیار کی جاتی ہیں۔ گو وہ بادی النظر میں روحانی معنوں سے خالی اور محض رسوم نظر آتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ روحانی تربیت کا ایک باقاعدہ نصاب ہیں (باقی صفحہ کالم نمبر ۴ پر)

افکار و آراء

(۱) پاکستان میں احراریوں کی گرفتاریاں

معاصر "ریاست دہلی" مورخہ ۷/جولائی مندرجہ بالا عنوان سے لکھتا ہے کہ:-

"پچھلے ہفتہ گوجرانوالہ وغیرہ مقامات پر بہت سے احراری گرفتار ہوئے تو ان گرفتاریوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے گوجرانوالہ میں مکمل ہڑتال تھی۔ اس کے بعد ان گرفتاریوں پر غور کرنے کے لئے مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تو وہاں اس جماعت کے لیڈروں کو مع ماسٹر تاج الدین اور شیخ حسام الدین گرفتار کر لیا گیا۔ اور اب پنجاب (پاکستان) کے اکثر شہروں میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کی جا چکی ہے تاکہ احراری اپنے جلسے نہ کر سکیں۔

"پچھلی چوتھائی صدی میں مجلس احرار کے مقاصد صرف دو تھے۔ ایک انگریزوں کی مخالفت اور دوسرے احمدیوں (یعنی قادیانیوں) کے خلاف مسلمانوں کو اُکسانا۔ چنانچہ انگریزوں کی مخالفت کے سلسلہ میں احراریوں نے کانگرس کا ساتھ دیتے ہوئے پاکستان کی سخت مخالفت کی۔ مسلم لیگ کا قدم قدم پر مقابلہ کیا اور اکثر مواقع پر مسٹر جناح کو شکست دی۔ مگر پاکستان کے قیام کے بعد احرار نے نہ صرف پاکستان کی حکومت کو تسلیم کیا بلکہ اپنے ریزولیوشنوں کے ذریعہ پاکستان کی موجودہ گورنمنٹ کے وفاشعار رہنے کا یقین بھی دلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اعتبار سے احراری ختم ہو گئے اور اب ان کے پاس اگر کوئی پروگرام تھا تو صرف احمدیوں کی مخالفت جس کے ذریعہ یہ دنیا کے سامنے اپنی زندگی کا ثبوت دے سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مصروف رہنے کے لئے احمدیوں کی مخالفت شروع کی۔ کراچی وغیرہ مقامات پر مظاہرے ہوئے۔ اور اب پاکستان گورنمنٹ نے ان کے اس قدم کے جرم میں ان کی گرفتاریاں شروع کی ہیں۔

احراری اگر اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہتے تھے تو ان کے لئے بہتر صورت یہ تھی۔ کہ یہ سیاسی اعتبار سے مسلم لیگ کی مخالفت کو ترک نہ کرتے اور جناح مسلم لیگ وغیرہ حریت پسند جماعتوں کا ساتھ دیتے ہوئے پاکستان گورنمنٹ کے خلاف اپنی مورچہ بازی جاری رکھتے۔ مگر اس جماعت کا اپنی تمام قوت احمدیوں کی مخالفت میں صرف کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس جماعت کے لیڈر پاکستان گورنمنٹ کی مخالفت کا خطرہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور احمدیوں کی مخالفت کے راستہ کو اپنے لئے محفوظ سمجھتے ہوئے اپنی جماعت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ سوال یہ ہے کہ احمدی کیوں پاکستان میں نہ رہیں جس صورت میں کہ وہ مسلمان ہیں۔ نماز اور روزہ کے پابند ہیں۔ رسول اللہ کی رسالت کے قائل ہیں۔ اور ان کا قرآن پر ایمان ہے۔ چنانچہ اگر احمدی مسلمان نہ بھی ہوں تو ان کو کیوں پاکستان میں رہنے کی اجازت نہ دی جائے جس صورت میں کہ وہاں عیسائی یہودی اور پارسی بھی رہ سکتے ہیں۔ احراری لیڈروں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنی مضحکہ انگیز پوزیشن پر غور کریں اور احمدیوں کی مخالفت کو چھوڑ کر اپنے قدم سیاسی میدان میں جمائیں۔

(۲) یہ ہندوستان کا سیکولرازم ہے

اس ہفتہ جمہوریہ ہند کے صدر بابو راجندر پرشاد نے نئے درخت لگائے۔ تو درختوں کو لگانے سے پہلے آپ نے پنڈت جی کے سامنے بیٹھ کر ہندو طریقہ سے پوجا کی اور پوجا میں وہ تمام رسوم ادا کی گئیں جو ایک ہندو کے لئے مذہبًا ضروری ہیں۔

یہ کیفیت بے حد دلچسپ ہے کہ ایک طرف تو ہر بیان ہر تحریر اور ہر تقریر میں ہندوستان کی موجودہ حکومت کو سیکولر گورنمنٹ کہا جاتا ہے اور دوسری طرف اگر ٹریکٹر چلائے جاتے ہیں تو اُن کے چلانے سے پہلے گنیش جی کی پوجا کی جاتی ہے۔ اگر جہاز پانی میں چھوڑے جاتے ہیں تو وہاں پوجا کرتے ہوئے ناریل سمندر میں چھوڑے جاتے ہیں اور اب اگر گورنمنٹ ہاؤس میں درخت لگائے گئے تو صدر صاحب نے درخت لگانے سے پہلے ہندو طریقہ کے ساتھ پوجا کرنی ضروری سمجھی۔

کوئی شخص کوئی افسر۔ کوئی وزیر یا صدر صاحب اپنی پرائیویٹ حیثیت سے رام چندر جی کی پوجا کریں یا سری کرشن کی اور یا کسی بھی دیوی دیوتا کی ان کو حق حاصل ہے مگر سرکاری تقاریب میں پوجا کرنا یقینًا قابل اعتراض ہے۔ اگر ہماری موجودہ گورنمنٹ غیر مذہبی یعنی سیکولر ہونے کی دعویدار ہے۔ اور یا پھر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ ہندو گورنمنٹ ہونے کا اعلان کر دے تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ رہتے ہوں جہاں پاکستان کو اسلامی حکومت سمجھتے ہیں وہاں ہندوستان کو ہندو حکومت سمجھیں سرکاری تقاریب میں پاٹھ پوجا کا ہونا ایک سیکولر گورنمنٹ کے لئے انتہائی غیر مناسب ہے۔ کیونکہ اس گورنمنٹ کے سایہ میں مسلمان۔ عیسائی۔ سکھ اور خدا کو تسلیم نہ کرنے والے بھی رہتے ہیں۔"

(اخبار ریاست دہلی)

ذبیحہ پر فیس!

اطلاع ملی ہے کہ لکھنو میونسپلٹی کی طرف سے ایک نئے مجوزہ قانون کا اعلان ہوا ہے کہ:-

"آئندہ سے ہر قصاب کو مذبح میں بکری بھیڑ وغیرہ کے ذبیحہ کے لئے ۶/ فی راس فیس دینا ہوگی۔ اور بھینس وغیرہ کے لئے ایک روپیہ فی راس لیکن جو قصاب بجائے ذبیحہ کے جانور کو بذریعہ مشین ہلاک کریں گے ان کے لئے کوئی فیس نہیں۔"

(بحوالہ اخبار الجمعیۃ)

اگر اس قانون پر باقاعدہ عملدرآمد شروع ہو گیا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ مسلمان قصابوں کو ذبیحہ کے لئے فی جانور ایک روپیہ سے چھ آنہ تک ادا کرنا پڑے گا۔ اور اس طرح لوگ ہاں وہ غریب لوگ جن کو پیسے پیسے کیلئے دربدر مارا مارا پھرنا پڑتا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی رقم بچانے کیلئے سینکڑوں جتن کرنے پڑتے ہیں اور ان کی مذہبی تعلیم اور احساس بھی کوئی بلند نہیں ہوتا آسانی سے ذبیحہ چھوڑ کر حرام گوشت کھانے لگ جائیں گے۔

ایسا مجوزہ قانون یقینًا سیکولرازم کی روح کے منافی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت اس امر میں مداخلت کر کے اس قانون کے نفاذ کو روک دے گی۔ اگر مذبح میں کسی مشین کو استعمال کرنے سے کسی کارخانہ وغیرہ کو فروغ و نفع ہی پہنچانا ہے تو بھی ایسا طریق اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس سے مسلمانوں کو مذہبی فرائض کی بجا آوری میں دقت ہو۔

م چند ماہ کار بند رہنے کے بعد اُسے معلوم ہونے لگ گیا کہ وہ حقیقت میں تُند خو ہو رہا ہے اور رفتہ رفتہ رحم اور عفو کے تمام جذبات اس سے جاتے رہے۔

یہ اس بات کی ایک نہایت یقینی مثال ہے کہ محض ایک بناوٹ یا کیفیت کے اختیار کرنے سے انسان کے کردار پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ (سلم ٹائمز لندن)

(باقی)

اسلام کے ارکان بقیہ صفحہ نمبر ۶

اور یہ ادنیٰ تفکر یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ روح انسانی جسم کے اندر محصور ہے۔ اور جسم اس کے لئے بمنزلہ ایک ظرف یا خول کے ہے۔ ظرف کی حالت اس کی اندرونی اشیاء پر اسی طرح اثر انداز ہوتی ہے جس طرح ایک خول کی حالت اس کے مغز پر اثر کرتی ہے یقینًا ایک گندہ برتن زود یا بدیر اپنی اندرونی چیز کو گندہ کر دے گا۔ اسی طرح ایک خمدار برتن بھی اپنے اندر کی چیز کو اپنا ہم شکل بنا لے گا۔

مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کے ادراک کی مقدار۔ اس کے ذہن کی شکل۔ اس کی جسامت اور بناوٹ پر منحصر ہوتی ہے۔ اور فہم و ادراک کی ترقی اور اس کا تنزل دماغ کے ظاہری خواص کی نشو ونما کے تابع ہوتا ہے اگر کسی حادثہ سے۔ یا کسی سائنٹفک عمل کے ذریعہ کسی شخص کے دماغ کی شکل تبدیل کر دی جائے تو باوجود اس بات کے کہ دماغ کے اجزائے ترکیبی کی مقداروں میں کوئی کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوگی۔ اس کے ادراک پر فورًا اثر پڑ جائے گا۔ چہرے کی کوئی خاص بناوٹ یا کوئی خاص کیفیت اختیار کرنے سے ہماری طاقتوں اطوار اور طبائع میں ایک تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ بطور مثال اگر ایک نہایت نرم مزاج آدمی چہرے کی ایک درشت بناوٹ اختیار کر لیتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے خصائل میں بھی درشتی پیدا ہو جاتی ہے۔

امریکہ کی ایک ریاست کے ایک اعلےٰ افسر کو جب ایک ایسی اہم ذمہ داری کا کام سپرد کیا گیا جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سخت نگرانی اور شدید انضباط کو بروئے کار لانے کی ضرورت تھی۔ تو اس کے متعلق قرار دیا گیا۔ کہ وہ اپنے فرائض کی سرانجام دہی کے بالکل ناقابل ہے۔ کیونکہ انضباطی کارروائی کے لئے جس قوت ارادی اور عزم کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اس میں کامل طور پر غائب تھا۔ وہ معمولی سی جرح یا تعزیر دینے کے لئے بھی اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔ انجام کار اُسے کہہ دیا گیا کہ اگر وہ اپنی طبیعت میں اور زیادہ عزم اور استقلال پیدا نہیں کرے گا تو اسے اس عہدہ سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔ اس پر اس شخص نے ایک ماہر علم العادات سے مشورہ کیا جس نے اُسے بتایا کہ اسے چہرہ کو غضبناک بنائے رکھنا اور دانتوں کو بند رکھنا چاہیئے۔ اور عام طور پر ایک درشت رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ وہ شخص بیان کرتا ہے۔ کہ خود اختیاری درشتی کے اس طریق پر

مفتی مصر کی تکفیر بازی

آجکل ہندوستان کی مختلف اخبارات میں مفتی مصر کے اس فتوے کا چرچا ہو رہا ہے۔ جو انہوں نے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کے لئے دیا ہے۔ یہ فتوے کوئی نیا نہیں۔ اور نہ ہی ایسی تکفیر بازی اور فتاوٰی کو جو نام نہاد علماء اسلام مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیرنے اور ان کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے دیتے رہتے ہیں کوئی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے ہم اس فتوے کو چنداں قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس پر کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ بعض غیر مسلم اخبارات نے اس خبر کو سیاسی وجوہات کی بنا پر نمایاں طور پر اشاعت دی ہے۔ اور کئی ایک نے اس پر ایڈیٹوریل بھی لکھے ہیں۔ اس لئے ہم بھی اس فتوے کی کسی قدر حقیقت قارئین کرام پر ظاہر کر دیتے ہیں۔

اس فتوے تکفیر کی بنا یہ ہے۔ کہ چونکہ احمدی حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی یقین نہیں کرتے اور آپ کے بعد سلسلہ رسالت کو جاری و ساری سمجھتے ہیں اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اگر غور کیا جائے۔ تو یہ مفتی حضرات جو ہمیں اس وجہ سے خارج از اسلام سمجھتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں سمجھتے خود بھی حضرت رسالتمآب کو آخری نبی یقین نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کے بعد آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں آئینگے اور امام مہدی کے ساتھ مل کر امت محمدیہ کی اصلاح کریں گے۔ ہاں ہمارے عقائد اور ان علماء کے عقائد میں یہ فرق ضرور ہے کہ وہ ایک اسرائیلی نبی کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کے قائل ہیں جس کا امت محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ انہوں نے کبھی اپنی نبوت کے حصول کے لئے حضرت سرور کائنات سے اقتباس نور کیا۔ لیکن ہمارے عقیدہ کے رُو سے چونکہ نبوت محمدیہ قیامت تک ممتد ہے اس لئے کوئی غیر نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا۔ ہاں آپ کے شاگردوں اور غلاموں میں سے نبی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایسے انبیاء کی نبوت نبوت محمدیہ سے علیٰحدہ نہیں بلکہ اسی کا فیضان اور اسی میں شامل ہے۔ پس ہمارے عقیدہ کی رو سے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی غیر نبی نہیں آسکتا۔ لیکن ہمارے ان علماء کے نزدیک جو ہمارے خلاف فتوے دے رہے ہیں تو ایک اسرائیلی نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آئے گا۔

باقی رہا یہ امر کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے تو اس پر خدا تعالےٰ کے فضل سے ہمارا بھی یقین ہے۔ بلکہ احمدیہ جماعت میں داخل ہونے کی شرائط میں سے ایک بڑی شرط یہ ہے کہ بیعت کرتے وقت جماعت میں داخل ہونے والا یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کریگا۔ پس اس شرط کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا احمدیوں پر یہ اتہام لگانا کہ گویا وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے انتہا درجہ کی افترا اور جھوٹ ہے اور اس بنا پر کسی مفتی کا فتوےٰ صادر کرنا بھی نہایت ہی ناواجب اور نامناسب فعل ہے۔

جہاں تک "خاتم النبیین" کے مختلف مفہوموں اور مطالب کا سوال ہے۔ اس میں بھی جماعت احمدیہ کا مسلک منفرد نہیں بلکہ جو مفہوم آج آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا جماعت احمدیہ لیتی ہے۔ وہی مفہوم امت محمدیہ کے گذشتہ بہت سے مسلمہ بزرگ، اولیاء، اصفیاء اور علماء لیتے چلے آئے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"وہ نبوت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود پر ختم ہوئی وہ صرف تشریعی نبوت ہے۔ نہ کہ مقام نبوت۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنیوالی کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ اور نہ اس میں کوئی حکم بڑھا سکتی ہے اور یہی معنی ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی اور لا رسول بعدی ولا نبی بعدی یعنی میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو۔ ہاں ایسی صورت میں نبی آسکتا ہے کہ وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت آئے" (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

اسی طرح حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ میرے بعد نبی نہیں اور نہ رسول۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شریعت والا نبی نہیں (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۴) جو نبوت اور رسالت شریعت والی ہوتی ہے۔ پس وہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ آپ کے بعد شریعت والا نبی نہیں آسکتا۔ ہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی کر کے عام نبوت جس میں شریعت نہ ہو باقی رہنے دی" (فصوص الحکم نص حکمۃ قدریہ فی کلمۃ عزیریہ)

بعد عارف ربانی حضرت سید عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"تشریعی نبوت کا حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہو گیا پس اس وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوئے" (الانسان الکامل باب ۳۶ جز ۱ وخزینۃ التصوف صفحہ ۶)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

"خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔ اور آپ کی امت سے نہ ہو" (موضوعات کبیر صفحہ ۵۸-۵۹)

حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نبی ختم ہو گئے۔ یعنی آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جس کو خدا تعالےٰ شریعت دے کر لوگوں کی طرف مامور کرے"۔ (تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۵۳)

جناب مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی رح فرماتے ہیں:۔

"علمائے اہلسنت بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ کے تمام مکلفین کو شامل ہے اور جو نبی آپ کے ہمعصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدیہ ہوگا۔ پس ہر تقدیر بعثت محمدیہ تام ہے"۔ (دافع الوساوس فی اثر ابن عباس صفحہ ۳)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے"۔ (تحذیر الناس صفحہ ۳)

پھر سب سے بڑھ کر حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا یہ قول ہے کہ قولوا انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵) یعنی یہ تو کہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہ لو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اگر ان مفتیان سے جو مسلمانوں میں تفرقہ و انشقاق پیدا کرنے کے لئے ہر وقت مصروف کار ہیں یہ پوچھا جائے کہ کیا مذکورہ بالا بزرگان امت کے خلاف جن کے عقائد بعینہ وہی ہیں جو اب جماعت احمدیہ رکھتی ہے۔ آپ فتوے دینے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ تو وہ ایسا ہرگز نہ کر سکیں گے۔ ہاں اس جماعت کے خلاف محض نظری اختلافات کی وجہ سے تکفیر بازی میں ان کو کوئی باک نہیں جو آج حقیقی اسلام کی علمبردار ہے۔ اور دنیا کے اطراف واکناف میں باوجود شدید مخالفت کے اسلام کا جھنڈا لہرا رہی ہے۔ اور دلائل بینہ اور براہین منیرہ سے حقانیت اسلام کو چار دانگ عالم میں ثابت کر کے مخالفین کا منہ بند کر رہی ہے جس کے ذریعہ سے کفرستانوں میں خدائے واحد کی توحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ندائیں مساجد سے گونج رہی ہیں جس نے درجنوں زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ اور بے شمار قیمتی اسلامی لٹریچر شائع کرنے کا فخر حاصل کیا ہے جس کے سینکڑوں ہزاروں جانباز اور جانفروش مجاہد اپنی زندگیاں وقف کر کے اور قربانی کا بے نظیر نمونہ پیش کر کے میدان عمل میں نکلے ہوئے ہیں۔

افسوس ہے کہ موجودہ زمانہ کے علماء اور مفتیان بجائے اس کے کہ مسلمانوں کی ضروریات اور مشکلات کو سمجھیں اور ان کے ازالہ کے لئے کوشش کریں ایسی حرکات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ جو اہل اسلام کے لئے اور بھی زیادہ کمزور کرنے اور دشمن کے ہاتھوں کو اور بھی زیادہ مضبوط کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔ خدا تعالےٰ ہی اپنے فضل سے ان کو سمجھ دے یا اگر وہ باز نہ آئیں تو خود ہی ان سے سمجھے۔

ولادت محمد عزیز صاحب درویش قادیان کے ہاں مورخہ ۹/۷/۵۲ کو خدا کے فضل سے لڑکی تولد ہوئی ہے۔ احباب مولودہ کے باسعادت ہونے کے لئے دعا فرمادیں۔

چھتیس ۳۶ سال قادیان میں

از مکرم خواجہ غلام نبی صاحب سابق ایڈیٹر اخبار الفضل

(۳)

ان ایام میں جب کہ میں چھوٹے موٹے مضامین لکھ رہا تھا۔ اور مختلف اخبارات میں شائع ہو رہے تھے۔ میں بطور کلرک دفتر ریویو آف ریلیجنز میں کام کرتا تھا۔ مولوی ظفر علی صاحب کا اخبار "زمیندار" جسے وہ خود ایڈٹ کرتے تھے۔ امرتسر کا اخبار "وکیل" جو مولوی عبداللہ صاحب منہاس کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا۔ اور مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کا اخبار "الہلال" کلکتہ سے نکلتا تھا۔ یہ مسلمانوں کے بہت مشہور اور با اثر اخبار تھے۔ میں ان کو بڑے شوق سے پڑھا کرتا اور میری کوشش ہوتی۔ کہ اسی رنگ میں مجھے بھی لکھنا آنا چاہیئے۔ میں ان کے خاص خاص فقرے یاد کر لیتا۔ اور پھر انہیں اپنے مضامین میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا۔ میری اس کوشش کا کیا انجام ہوا۔ اس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔ البتہ ان ایام کا ایک خاص واقعہ اس موقع پر قابل بیان ہے۔ اور وہ یہ کہ مولوی ابوالکلام صاحب آزاد نے جب دیکھا کہ مسلمانوں میں ان کا اثر اور رسوخ بڑھتا جا رہا ہے۔ اور "الہلال" نے خاص وقعت اختیار کر لی ہے۔ تو انہوں نے حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اس میں شامل ہونے والوں کے لئے فارم چھپوا کر "الہلال" کے ذریعہ پھیلائے۔ میں نے الہلال کے مطالعہ کے سلسلہ میں جب ان کا اعلان پڑھا۔ اور ساتھ ہی ممبری کا فارم بھی دیکھا۔ تو شوق پیدا ہوا۔ کہ میں بھی ممبر بن جاؤں۔ کیونکہ لکھا تھا کہ ممبروں کو حزب اللہ کے متعلق خاص باتیں بتائی جائیں گی۔ جو اخبار میں شائع نہ ہوں گی۔ چنانچہ میں نے فارم پر کر کے بھیجدیا۔ اور اپنا نام اس میں بایں الفاظ لکھا "غلام نبی بلانوی" اس وقت تو میرے مدنظر آخری الفاظ سے اپنے گاؤں کی طرف نسبت تھی لیکن دراصل ان الفاظ نے اور ہی شکل اختیار کر کے مجھے بہت فائدہ پہنچایا۔ اور ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا بات یہ ہوئی۔ کہ مولانا آزاد کو تو اس کے سوا توفیق ہی نہ ملی۔ کہ جن لوگوں نے فارم پُر کر کے بھیجدیئے تھے۔ ان کے نام اور پتے ایک رجسٹر میں لکھوا دیں لیکن دوران جنگ یعنی پہلی جنگ عظیم میں گورنمنٹ نے جب آزاد صاحب کو گرفتار کر لیا۔ ان کا اخبار اور پریس وغیرہ ضبط کر لیا۔ تو اسی سلسلہ میں وہ پتے بھی گورنمنٹ کے ہاتھ آ گئے۔ اور وہ سب لوگ بھی چُن چُن کر گرفتار کئے جانے لگے۔ اسی سلسلہ میں میری تلاش اور جستجو بھی ہوئی۔ اس وقت میں محض خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے زیر سایہ آ چکا تھا۔ اور اخبار نویسی کی تربیت حاصل کرتے ہوئے "الفضل" کے ایڈیٹوریل سٹاف میں کام کرتا تھا۔ کہ ایک دن اچانک بڑا پولیس افسر کافی عملہ سمیت قادیان آ گیا۔ اور آتے ہی سرکردہ اصحاب سے اس نے پوچھا۔ یہاں کوئی غلام نبی بخاری ہے۔ جس کا تعلق مولوی ابوالکلام سے رہا ہے۔ اور اب بھی ہے۔ باخبر اصحاب کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا سوال ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں غلام نبی بخاری تو کوئی نہیں۔ البتہ غلام نبی نام کا ایک نوعمر لڑکا ہے۔ جو اخبار "الفضل" کے دفتر میں کام کرتا ہے۔ مگر اس کا نہ صرف مولوی ابوالکلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ وہ تو ان کے خلاف مضامین لکھتا ہے۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں میرے چند مضامین مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کے ایک مضمون کے متعلق "الفضل" میں شائع ہو چکے تھے۔ جو میں نے مکرم قاضی اکمل صاحب کی راہ نمائی میں لکھے تھے۔ اور گو میرا نام ان کے ساتھ شائع نہ ہوا تھا۔ مگر وہ اتنے تازہ تھے۔ کہ ان کے اصل مسودے ابھی موجود تھے۔ جو پولیس افسر کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔ اور وہ ان کو پڑھ کر مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ اور اس طرح یہ بلا بڑی آسانی سے ٹل گئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

مولوی ابوالکلام صاحب آزاد نے ان دنوں "الہلال" میں ایک سلسلہ مضامین اس موضوع پر لکھا تھا کہ انبیاء دنیا میں لوگوں کو سربلند کرنے اور انسانوں کی غلامی سے چھڑانے کے لئے آتے ہیں۔ جبکہ دنیا میں جور وستم حدِ انتہا کو پہنچا ہوتا ہے۔ اور اس وقت کی حکومت تمام مظالم کا منبع ہوتی ہے۔ اس لئے نبی کا سب سے پہلا فرض یہ ہوتا ہے۔ کہ حکومتِ وقت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرے اور اسے مٹا کر اپنی حکومت خدا کے احکام پر چلنے والی قائم کرے۔

یہ نہایت مختصر الفاظ میں مفہوم ہے۔ ان مضامین کا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور قرآن کریم کی وہ آیات پیش کیں۔ جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مقابلہ کا ذکر ہے۔ میں نے اس کے مقابلہ میں جو مضامین لکھے۔ ان میں یہ ثابت کرتے ہوئے کہ مولانا کا یہ نظریہ غلط ہے۔ کہ نبی دنیا میں حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کے لئے آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو استدلال کیا تھا۔ اس کی بھی غلطی ثابت کی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال پیش کر کے بتایا کہ ان کے متعلق قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے نہ صرف حکومتِ مصر کے خلاف کسی رنگ میں باغیانہ جدوجہد نہ کی۔ بلکہ والیٔ مصر سے خود کہہ کر اپنے آپ کو اس کی حکومت میں وزیر خزانہ مقرر کرایا۔ اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اس عہدہ کے فرائض ادا کرتے رہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مضامین اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی تھے۔ کہ میرا مولانا ابوالکلام کے خیالات اور عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ اور میں ان کے خلاف ہوں لیس وجہ سے معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ اور مجھ سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ پوچھا گیا۔

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ کہ ان دنوں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کا تمام ہندوستان میں خاص کر مسلمانوں میں طوطی بول رہا تھا۔ برطانوی گورنمنٹ ہند کے خلاف ان کے مضامین بڑی دلچسپی اور توجہ سے پڑھے جاتے تھے۔ چونکہ وہ بہت بڑے عالم اور غضب کے لکھنے والے تھے۔ اور قرآن کریم کی آیات سے استدلال کرتے تھے۔ اس لئے مذہبی لحاظ سے ان کے مضامین کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ اور بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ادھر میں ابھی قریباً نوآموز تھا۔ نوجوانی کا آغاز تھا۔ اور تجربہ نہ ہونے کے برابر تھا ایسی حالت میں میرے سپرد ان کے ایک معرکۃ الآراء مضمون کا جواب لکھنے کا کام کیا گیا۔ اور میں محض اس جرأت اور دلیری کی بنا پر جو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرنے کی وجہ سے حاصل تھی۔ ایک ذرہ بھی ہچکچاہٹ کے بغیر تیار ہو گیا۔ اور مسلسل کئی مضامین "الفضل" میں لکھے جو خدا کے فضل سے پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے۔ میرا یہ اقدام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک بہت بڑا ثبوت تھا۔ ورنہ میری کیا حقیقت تھی کہ اتنے مشہور اور شہرت یافتہ عالم کے بالمقابل قلم اٹھانے اور پبلک میں اس سے خطاب کرنے کی جرأت کر سکتا۔ وہ مضامین "الفضل" میں اب بھی موجود ہیں۔ اور اگر میں خود پڑھوں تو مجھے اپنے اوپر حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت میں نے کس شان سے یہ مضامین لکھے۔ یہ جرأت یہ دلیری یہ بے خوفی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے آپ کے بیان فرمودہ حقائق اسلام پر یقین رکھنے اور آپ نے جو کچھ بتایا اس کے خلاف کو ہیچ قرار دینے کا نتیجہ تھی۔ ورنہ

من آنم کہ من دانم

میں دفتر ہائی سکول قادیان سے فراغت حاصل کرنے کے لئے قادیان سے چند ہی ماہ باہر رہا۔ اور پھر فروری کے آخر یا مارچ ۱۹۱۴ء کے ابتداء میں اس وقت تک واپس آیا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ ... بیمار تھے۔ قادیان میں سخت اضطراب اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ نمایاں طور پر ظاہر ہو رہا تھا۔ کہ بعض لوگوں کے خیالات میں جو اختلاف تھا۔ وہ ابھرتا جا رہا تھا۔ اور ہر شخص اس فکر میں مبتلا نظر آتا۔ کہ نہ معلوم حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی وفات کا سانحہ کس قسم کا انقلاب برپا کرے گا۔ سنجیدہ اور متین طبقہ اور علماء سلسلہ کا سارا زور دعاؤں اور خدا تعالیٰ کے حضور دن رات گڑگڑانے پر تھا۔ لیکن دوسرے چند افراد جو سلسلہ کے اموال اور نظام پر اپنے آپ کو قابض سمجھتے تھے بڑی حد تک اپنے آپ کو مطمئن اور بے فکر پاتے تھے۔ ان کے طور و طریق سے ظاہر تھا کہ انہیں آنے والے انقلاب کا کوئی خاص فکر نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا خیال نہیں بلکہ یقین تھا۔ کہ وہ جو کچھ چاہیں گے کر لیں گے۔ کسی کو ان کے سامنے چون وچرا کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے اس قسم کی بے جا جرأت کی۔ تو نہایت آسانی اور سہولت سے ختم کر دی جائے گی۔ ان لوگوں کا خیال تھا۔ کہ انہیں جماعت پر اس قدر اثر و رسوخ حاصل ہے کہ ان کی ہر بات فوراً تسلیم کر لی جائے گی۔

غرض اس وقت مرکز میں یہ حالت تھی۔ کہ کچھ

لوگ جو اپنے آپ کو سرکردہ سمجھتے۔ سلسلہ کے مادی کاروبار پر قبضہ رکھتے۔ اور نظام سلسلہ پر حادی تھے۔ اپنے آپ کو بڑا مطمئن سمجھتے۔ بلکہ بڑی حد تک رعونت کا اظہار بھی کرتے اور جن لوگوں کو اپنا ہمنوا نہ پاتے۔ ان پر رعب جمانے انہیں ادنےٰ اور نکمے قرار دینے اور لنگر کی روٹیاں توڑنے والے کہنے سے دریغ نہ کرتے تھے لیکن کچھ اور لوگ بھی تھے۔ اور کثرت انہی کی تھی۔ جو بہت مضطرب اور بے تاب تھے۔ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرتے۔ اور خدا تعالےٰ سے نصرت چاہتے۔ ہر ایک کو دعاؤں کی تلقین کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ المناک اور اضطراب انگیز گھڑی آگئی۔ جبکہ اس عظیم الشان انسان کی رفیق اعلیٰ کی طرف تیاری مکمل ہوگئی۔ جس نے اپنا سب کچھ زندگی میں ہی اپنے آقا اور مرشد کی رضا کے لئے قربان کرکے اس سے یہ خطاب حاصل کر لیا تھا۔ کہ

چہ خوش بودے اگر ہر یک زاُمت نوردیں بودے

یہ مارچ کی ۱۳ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز کے لئے لوگ مسجد اقصےٰ میں جمع تھے۔ خطبہ اور نماز حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ نے پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگ غم والم میں ڈوبے ہوئے حضرت نواب صاحب کی کوٹھی دار السلام کو جانے لگے۔ جہاں بیماری کے آخری ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح اول کو رکھا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت قادیان میں صحت کے لحاظ سے سب سے بہترین جگہ یہی تھی۔

اس کے بعد خلیفہ کے انتخاب تک کے لمحات جس اضطراب۔ بے چینی اور بے اطمینانی کے ساتھ گذرے۔ وہ وہی لوگ جانتے ہیں جن پر گذرے۔ اور کسی قدر ذکر اخبارات میں موجود ہے۔

چونکہ مرکزی دفاتر پر کلیتہً مولوی محمد علی صاحب کا قبضہ تھا۔ اس لئے یہ بھی ممکن نہ تھا۔ کہ ان کی اجازت کے بغیر بیرونی جماعتوں کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی وفات کی اطلاع دی جاسکے۔ اور یہ واقعہ میرا چشم دید ہے۔ کہ بیرونی جماعتوں کے پتے جس رجسٹر میں درج تھے۔ وہ مولوی صاحب کا ایک خاص معتمد جو ان کا ہیڈ کلرک تھا۔ اپنی بغل میں دبائے اس مجمع میں موجود تھا۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح اول کے انتقال کے معاً بعد مسجد نور میں جمع ہوگیا تھا لیکن جب پتے نوٹ کرنے کے لئے کسی نے اس سے رجسٹر مانگا۔ تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور پھر وہ مجمع سے نکل کر مولوی صاحب کی کوٹھی میں چلا گیا۔

اس اجتماع کے بعد جو رات آئی۔ وہ قریبًا سب نے جاگتے گذاری۔ غم و فکر میں مبتلا احباب کو کیا نیند آتی۔ نوافل پڑھنے اور دعائیں کرنے میں یا پھر نئے مہمانوں کو جو راتوں رات آنے شروع ہوگئے تھے۔ اُتارنے میں معروف رہے۔ اسی سلسلہ میں مولوی محمد علی صاحب کے ایک رسالہ نے جو خاص اس وقت کے لئے خفیہ طور پر چھپوا کر لاہور میں رکھا ہوا تھا۔ اور جس کے متعلق معلوم ہوا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کی وفات کی خبر پہنچتے پر شائع کیا گیا۔ اور لاہور۔ امرتسر اور بٹالہ کے سٹیشنوں پر احمدیوں میں رات کو تقسیم کیا گیا۔ اس رسالہ نے بڑی ہلچل پیدا کردی۔

دن چڑھے جب وہ رسالہ میرے ہاتھ میں آیا۔ تو اس کی ایک بات نے مجھ پر خاص اثر کیا۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ مولوی صاحب نے لکھا تھا۔ جماعت کے لئے کوئی ایک شخص خلیفہ نہیں ہونا چاہیئے۔ جس کی اطاعت سب کے لئے ضروری ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی وفات کے بعد میں ارادہ کر چکا تھا۔ کہ مولوی محمد علی صاحب کو پارٹی میں سے جو خلیفہ ہوگا۔ میں اس کی بیعت کرلوں گا۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا۔ کہ وہ لوگ خلافت ہی آئندہ کے لئے خاتمہ کر رہے ہیں۔ تو میں نے فیصلہ کر لیا۔ کہ جماعت جس کو بھی خلیفہ منتخب کرے گی۔ میں اس بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی آخری تیاری کے بعد مگر جنازہ پڑھنے سے قبل مسجد نور میں اس غرض سے جو اجتماع ہوا۔ کہ خلیفہ کا انتخاب کیا جائے۔ اور مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی انتہائی مخالفانہ کوششوں کے باوجود اجتماع ہوا۔ (شائد کوئی معذور یا مولوی محمد علی اور ان کے چند ساتھی باہر رہے ہوں) اور اس میں متفقہ طور پر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ اور سب حاضرین جلسہ نے آپ کی بیعت کی۔ جن میں بہت بڑی کثرت صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور علماء سلسلہ کی تھی۔ تو میں نے بھی بیعت کرلی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اسلامی اصول کی فلاسفی کے لیکچر کے متعلق ایک مخالف شخص کی غیر مطبوعہ رائے

مرسلہ جناب مہاشہ فضل حسین صاحب

"ان لیکچروں میں سب سے عمدہ اور بہترین لیکچر جو جلسہ کی روح رواں تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا لیکچر تھا۔ جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا۔ ۲۷؍دسمبر کو قریبًا ۴ گھنٹے اور ۲۹؍ کو دو گھنٹے تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹے میں یہ لیکچر تمام ہوا۔ جو حجم میں ۱۰۰ صفحے کلاں تک ہوگا۔ غرضیکہ مولوی عبدالکریم صاحب نے لیکچر شروع کیا۔ اور کیسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو ہوگئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین کی جاتی تھی عمر بھر ہمارے کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سُنا۔ دیگر مذاہب میں سے جتنے لوگوں نے لیکچر دیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ جلسہ کے مستفسرہ سوالوں کے جواب ہی نہیں تھے۔ عمومًا اسپیکر صرف چوتھے سوال پر ہی رہے۔ اور باقی سوالوں کو انہوں نے بہت ہی کم مس کیا۔ اور زیادہ تر اصحاب تو ایسے بھی تھے۔ جو بولتے تو بہت تھے۔ مگر اس میں جاندار بات ایک آدھ ہوتی تھی۔ تقریریں عمومًا کم وزن اور سطحی خیالات کی تھیں بجز مرزا صاحب کے لیکچر کے جو ان سوالات کا علیحدہ علیحدہ اور مفصل و مکمل جواب تھا۔ اور جس کو حاضرین جلسہ نے نہایت ہی توجہ اور دلچسپی سے سُنا۔ اور بڑا بیش قیمت اور عالی قدر خیال کیا۔

ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں اور نہ اُن سے ہم کو کوئی تعلق ہے۔ لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے۔ اور نہ کوئی سلیم الفطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا ہے مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دیئے۔ اور تمام بڑے بڑے اصول و فروع اسلام کو دلائل عقلیہ اور براہین فلسفہ کے ساتھ مبرہن اور مزین کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الہیات کے مسئلہ کو ثابت کرنا اور اس کے بعد کلام الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان رکھتا تھا۔ مرزا صاحب نے نہ صرف مسائل قرآن کی فلاسفی بیان کی۔ بلکہ الفاظ قرآنی کی فلالوجی اور فلاسوفی بھی ساتھ ساتھ بیان کردی۔ غرض کہ مرزا صاحب کا لیکچر بحیثیت مجموعی ایک مکمل اور حادی لیکچر تھا۔ جس میں بے شمار معارف و حقائق و حکم و اسرار کے موتی چمک رہے تھے۔ اور فلسفہ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہل مذاہب ششدر ہوگئے تھے۔ کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے۔ جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔ تمام ہال اُوپر نیچے سے بھر رہا تھا۔ اور سامعین ہمہ تن گوش ہورہے تھے۔ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور دیگر اسپیکروں کے لیکچروں میں امتیاز کے لئے اس قدر کہنا کافی ہے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اس طرح آ آ کر گری جیسے شہد پر مکھیاں۔ مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بوجہ بے لطفی بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اُٹھ جاتے تھے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی تھا۔ وہی ملانی خیالات تھے جن کو ہم لوگ ہر روز سنتے ہیں۔ اس میں کوئی عجیب و غریب بات نہ تھی۔ اور مولوی صاحب موصوف کے دوسرے لیکچر کے وقت کئی شخص اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ مولوی صاحب ممدوح کو ۲۲

۲۲ اپنا لیکچر پورا کرنے کے لئے چند منٹ زائد کی اجازت بھی انہیں دی گئی تھی۔

(اخبار چودھویں صدی راولپنڈی یکم فروری ۱۸۹۷ء)

حیاتِ انسانی کا مقصدِ حقیقی

از محمد مبارک احمد صاحب منشی فاضل امیدوار وکالت تیماپوری

حیاتِ انسانی یا انسان کی پیدائش کا مقصد اصلی کیا ہے؟ اس کے متعلق ہمیں زیادہ گہری توضیحات اور تشریحات کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہر انسان کے دل میں ایک جستجو ہوتی ہے۔ کہ وہ آخر کیوں پیدا کیا گیا ہے اور اُس کی پیدائش کا مدعا کیا ہے۔ انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی پیدائش کا مدعا اور مقصد آپ ہی مقرر کرے۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی سے اس دار فانی میں آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے اِس دار فانی سے کوچ کرے گا صاف ظاہر ہے کہ جس نے اُسے جامۂ ہستی پہنایا وہی اُس کی پیدائش کے مقصد اور غرض و غائت کو بتلا سکتا ہے۔ اسلام میں ولادت کے وقت ہی سے اُس کی پیدائش کی غرض کو واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کانوں میں اذان پھونکی جاتی ہے۔ وہ اذان کیا ہے؟ وہ اس نو مولود کی جان ہے زندگی ہے اور وہی آواز اس کے دل و دماغ میں گونج کر تعلیم دیتی اور اُس پر واضح کر دیتی ہے کہ اسکی پیدائش کا مدعا صرف اور صرف رجوع الی اللہ ہونا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ یعنی انسان اعلےٰ سے اعلےٰ قوتوں اور عمدہ سے عمدہ نشو و نما کی طاقتوں کو لے کر پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کسی اعلےٰ سے اعلےٰ چیز کی قوتیں ایک منزل پر جا کر رُک جاتی ہیں تو وہی اُس کی ترقی اور اُس کی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے۔ یہی حال انسان کا بھی ہے کہ اُس کی ترقی اور اُس کی پیدائش کا اعلےٰ سے اعلےٰ کمال خدا کا قرب اور اُس کا وصال ہے۔ جو اُس کی زندگی اور پیدائش کا اصل مدعا اور مقصد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے افحسبتم انما خلقناکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون۔ اے انسانو! کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تمہاری پیدائش کا کوئی مقصد قرار نہیں دیا۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو لغو اور بے حقیقت نہیں پیدا کیا گیا۔ اُس کے پیدا کرنے کا ضرور کوئی نہ کوئی منشا اور مقصد ہے۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ مدعا اور مقصد کیا ہے؟ جس کے لئے اتنی بڑی دنیا بنا کر اُس میں انسان کو پیدا کیا گیا اور اس کو سب مخلوق سے افضل اور اشرف بنایا گیا۔ اور سب دنیوی چیزوں کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہان ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

جب اتنی بڑی قدرت والے خدا نے دنیا کے تمام لوازمات کو محض انسان کے لئے پیدا کیا ہے اور حضرتِ انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف المخلوقات کا رتبہ عطا فرمایا ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان اور اُس کی ہستی ہی عظیم الشان ہستی ہے۔ اور وہ لغو اور بے کار ہستی نہیں ہے۔ جو عبث پیدا کی گئی ہو۔ اللہ تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے تا وہ میری شناخت کریں مجھے پہچانیں اور جانیں اور میرے بندے اور عبد بنیں۔ اور میری تمام صفات کاملہ کو اپنے اندر جذب کر کے میرے رنگ میں رنگین ہوں۔ اور میرے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ میری رضا کو ہر بات میں مقدم رکھیں دنیا کی تمام چیزوں کو میری رضا پر قربان کریں۔ حتی کہ ہر عزیز سے عزیز چیز بلکہ جان کو بھی قربان کرنا پڑے تو دریغ نہ کریں۔ میرے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ اور ہر قسم کے نواہی کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔ غرض ہر بات میں ہر فعل میں خدا کی رضا اور محبت ہی مدنظر ہو۔ اور اُسی کی محبت میں گداز اور محو ہو کر انسان کا اپنا کچھ بھی باقی نہ رہے اور سب کچھ اللہ کا ہی ہو۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ کہ اے انسان تو کہدے کہ میری نماز میری قربانی میری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ بزرگ و برتر ہی کی رضا کے لئے ہیں۔

غرض ہمیں خدا کے بتلائے ہوئے کلام ضابطہ اور قانون الٰہی کی رُو سے جو کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے آقائے نامدار سردارِ دو جہان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچا یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان کی پیدائش کا مقصد اصلی صرف اور صرف خدا تعالےٰ کی اطاعت میں فنا ہونا اور اس کا نقش قبول کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ آجکل مسلمان کہلانے والے خدا کے منشاء کے خلاف دنیا پر ہی مر رہے ہیں۔ اور رات دن دنیا طلبی میں سرگرداں اور منہمک ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ دنیا زندگی کا چند روزہ سامان ہے۔ تو دنیا انسان کا مقصد حقیقی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اگر کوئی شخص اس دنیائے فانی کو اپنی زندگی کا اصل مقصد قرار دیتا ہے۔ تو وہ ایسی ایک ہی نہیں بلکہ ایسی ہزاروں دنیائیں اور اُس کی نعمتیں پا کر بھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے امراء اور بادشاہوں اور شہنشاہوں کو دیکھو! جب ان کو موت کا آہنی پنجہ گرفت میں لے لیتا ہے تو کس قدر عاجزی بے بسی اور بیکسی سے اور کن حسرتوں سے خالی ہاتھ اس دنیائے فانی سے کوچ کرتے ہیں۔ اور دنیا اور اُس کی ہر چیز یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ بھلا سوچیں کہ ایسی دنیا کو کون مدعا اور مقصد حقیقی قرار دے گا۔ مگر دنیا کو حاصل کرنے کی اللہ تبارک و تعالےٰ ممانعت نہیں فرماتا۔ بلکہ دنیا اس رنگ میں حاصل کی جائے کہ وہ اصل مقصد کے حصول میں روک نہ بنے۔ بلکہ اُس کے ذریعہ بھی خدا تعالےٰ کی رضا کا طالب ہو۔ تو ایسی حالت میں حصول دنیا جو جائز اور حلال طریقہ سے ہو معیوب نہیں بلکہ قابل تحسین امر ہے۔ پس مقصد حقیقی کو حاصل کرنے کے لئے جو پیدائش انسانی کا منتہائے مقصود ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ذکر کو ہر آن ہر لحظہ بیٹھتے اُٹھتے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

آیئے آج ہم آجکل کی دنیا کو اپنی مذکورہ بالا عبارت کے اصول کی کسوٹی پر جانچیں کہ ہم مسلمانوں میں فی الواقع کتنی ایسی جماعتیں یا افراد ہیں۔ جو اپنی پیدائش کے اصل مقصد کو پورا کر رہے ہیں یا کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے حالات پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مسلمان اپنے حقیقی مقصد کو کھو چکے ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔ سوائے زبان پر چند اسلامی فقرات اور رسومات کے لانے کے نہ ان کے اعمال درست ہیں اور نہ عقائد اور نہ ہی ان میں قربانی کا مادہ پایا جاتا ہے۔ قوت عملیہ بالکل جاتی رہی ہے ان میں سے کوئی یورپ کی تقلید میں سرگرداں ہے اور کوئی ہندوانہ فلسفہ کی خوشہ چینی کر رہا ہے۔ موجودہ مسلمانوں کی حالت کا نقشہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے مندرجہ ذیل اشعار سے خوب واضح ہوتا ہے ؎

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ہندوستان میں جو مسلمانوں کی دگرگوں حالت ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ مسلمان ساڑھے چار کروڑ ہوتے ہوئے بھی دن بدن قعرِ مذلت میں گرے جاتے ہیں۔ ہر دن اُن کے لئے ذلت و ادبار کے نئے سامان لا رہا ہے اور ہر رات ان کے لئے غفلت اور نکبت کا موجب بن رہی ہے حالانکہ خدا تعالےٰ کا یہ فرمان ہے کہ انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ یعنی اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب آؤ گے۔ پس کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ زمانہ کی ساری تباہی و بربادی جس کا مسلمان شکار ہو رہے ہیں اس کی اصل وجہ ایمان اور عرفان کا نقصان ہے۔ کیا مسلمانوں کو یہ نہ سوچنا چاہیئے کہ وہ کس طرح اپنے ایمانوں کو تازہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی دنیوی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تو آسمانی مائدہ کی طرف توجہ کرنے میں ان کو کیا روک ہے۔ سچ ہے کہ جب تک وہ اس آسمانی آواز کو سنیں گے جو عین وقت پر ان کی ترقی و بلندی اور ان کے اندر ایمان اور ایقان پیدا کرنے کے لئے بلند ہوئی ہے وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من مات بغیر امام فقد مات میتۃ جاھلیۃ یعنی جو امام وقت کے ساتھ وابستگی کے بغیر مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ پس موجودہ زمانہ کے مسلمان جن کو امامِ وقت کی شناخت اور اسکے ساتھ وابستگی کی توفیق نہیں ملی وہ گویا نورِ اسلام سے محروم ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی آنکھیں کھولیں اور خدا اور اسکے رسول کے فرمان کے ماتحت امام وقت اور اسکی روحانی جماعت کیساتھ وابستہ ہوں۔ تا کہ ان کی محنتیں اور کوششیں پھل لائیں اور وہ پھر دنیا میں سربلند اور سرخرو ہوں۔

آخر میں میں تمام مسلمانوں کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ وہ امام وقت جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی معہود اور مسیح موعود بھی قرار دیا ہے قادیان کی بستی میں ظاہر ہو چکا ہے۔ اور اس کی جماعت اکناف عالم میں پھیل چکی ہے اور اسلام کا جھنڈا اسکے ماننے والوں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں لہرایا جا رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اس الٰہی جماعت کیساتھ وابستہ ہو کر دینوی اور اُخروی حسنات کے حصہ دار بنتے ہیں +

علاقہ میسور میں تبلیغی و تربیتی دورہ

ہمارے تبلیغی دورہ جنوبی ہند سے واپسی پر جبکہ حاجی میر کلیم اللہ صاحب شموگہ (علاقہ میسور) کے فرزند میر محمد صادق صاحب کی شادی کے۔ ایم عابد شریف صاحب کی لڑکی سے اور کے۔ ایم عابد شریف صاحب کے لڑکے منیر احمد کی شادی حاجی صاحب کی نواسی سے اوائل مئی ۱۹۵۲ء میں طے پائی تھی۔ اس سلسلہ میں حاجی صاحب موصوف نے سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کو بہ فیملی شرکت شادی کی دعوت دی تھی۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے ان ضروریات کے مدنظر جو اس علاقہ میں تبلیغی، تعلیمی و تربیتی نقطۂ نگاہ سے ضروری تھیں (اور جس کی تفصیل اطلاع ممبران وفد سے بعد واپسی از دورہ معلوم ہو چکی تھیں) اپنے لڑکے یوسف الہ دین اور ان کی بہو عائشہ سلطانہ ایم۔ اے اہلیہ یوسف الہ دین کو اس تقریب پر بھجوایا۔ تا وہ شادی میں شریک ہوں اور اس علاقہ کا تبلیغی دورہ بھی کریں۔ اور مستورات میں دینی بیداری پیدا کریں چنانچہ ایک طرف عزیزم یوسف الہ دین صاحب نے شموگہ بنگلور میں خدام الاحمدیہ کے جلسے کروائے اور نوجوانوں میں ایک نیا عزم اور نئی بیداری کی روح پیدا کی تو دوسری طرف ان کی اہلیہ صاحبہ نے شموگہ میں جہاں اس سے قبل لجنہ قائم نہ تھی لجنہ اماء اللہ کی شاخ قائم کی۔ اور دو راتیں جلسے لجنہ اماء اللہ منعقد کروائے۔ اور اس میں حالات سلسلہ کے مدنظر خدمت دین کا جوش اور صحیح جذبۂ خدمت پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ نمازوں کی پابندی اور دیگر امور دینیہ کے بروقت ادا کرنے اور اپنے مردوں کو خدمت دین کے لئے تیار کرتے رہنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔ پہلے جلسہ میں بوجہ شادی تقریباً پانچ سو کی حاضری تھی۔ لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام تھا۔

دوسرا جلسہ لجنہ کا خاص طور پر چہار شنبہ کو ۲ سے ۴ بجے تک ہوا۔ عہدہ داران کے انتخابات اور فرائض کی طرف توجہ دلائی گئی۔

شموگہ میں ۲ر سے ۷ر مئی تک قیام رہا۔ اس کے علاوہ مستورات سے انفرادی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ تبلیغی امور کے علاوہ تعلیمی و تربیتی مسائل پر بھی گفتگو ہوئی۔

بنگلور میں ۹ر مئی بروز جمعہ لجنہ اماء اللہ کا جلسہ ۳ سے ۴½ بجے دن تک ہوا۔ جس میں تعلیمی و تربیتی امور پر تقریریں ہوئیں۔ مستورات میں اہلیہ صاحبہ عزیزم یوسف الہ دین نے تقریر فرمائی اور اس کے علاوہ انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ سلسلہ کے فرائض کو انجام دیا۔ اس طرح خدا کے فضل سے علاقہ میسور کا دورہ بہ ضمن شرکت شادی بحسن و خوبی انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ عزیزم یوسف الہ دین اور ان کی اہلیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ کی عمر دراز فرمائے۔ اور خادم دین بنائے کہ جو ہر وقت اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کسی طرح خدا کا کام ہو جائے۔

خادم محمد اسمٰعیل فاضل وکیل یادگیر

اشاعت تبلیغی لٹریچر

حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآباد نے ذاتی طور پر اس وقت تک جو خدمت اشاعتِ کتب اور لٹریچر کے رنگ میں مختلف زبانوں میں کی ہے۔ اس کا مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے جو اشاعت بدر کے لئے مرسل ہے۔ یہ بہت کم تخمینہ ہے۔ لیکن جس قدر کتب یاد ہیں یا ریکارڈ میں ہیں ان کی بہت حد تک صحیح رپورٹ ہے۔ لیکن اس میں وہ کتابیں کافی حد تک شامل نہیں جو سیٹھ صاحب نے دیگر مصنفین کو ان کی امداد میں چھاپ کر دیں۔ یا جو اور مقامات پر سیٹھ صاحب کے اخراجات سے چھاپی گئیں۔

نمبر شمار	زبان	کل تعداد کتب	کل صفحات ان کتب کے مجموعی طور پر
۱	بزبان انگریزی	۲ لاکھ ستاون ہزار	۲ کروڑ اکہتر لاکھ بتیس ہزار
۲	بزبان گجراتی	۲۶ ہزار	بتیس ۳۲ لاکھ صفحات بشمول ۲ لاکھ اشتہارات
۳	بزبان تلنگی	چار ہزار	چار لاکھ اسی ہزار
۴	بزبان کنڑی	دو ہزار	تین ۳ لاکھ بتیس ہزار
۵	بزبان مرہٹی	پانچ سو کتب	اسی ہزار صفحات
۶	بزبان ہندی	۲ ہزار کتب	ایک لاکھ بتیس ہزار
۷	بزبان گورمکھی	۲ ہزار کتب	ایک لاکھ بتیس ہزار
۸	بزبان اردو	۲ لاکھ چھیاسی ہزار	دو کروڑ گیارہ لاکھ اکہتر ہزار
	جملہ آٹھ زبانیں ہیں	۵ لاکھ ۸۳ ہزار پانچ سو کتابیں کل شائع شدہ ہیں	۵ کروڑ ۲۵ لاکھ بہتر ہزار جملہ صفحات پر مشتمل یہ کتابیں ہیں۔

اشتہارات جو مختلف زبانوں میں شائع ہوئے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

نمبر شمار	زبان	کل تعداد
۱	بزبان انگریزی	دس لاکھ بتیس ہزار
۲	بزبان گجراتی	۲ لاکھ
۳	بزبان تلنگی	دس ہزار
۴	بزبان کنڑی	دس ہزار
۵	بزبان مرہٹی	دس ہزار
۶	بزبان ہندی	دس ہزار
۷	بزبان گورمکھی	دس ہزار
۸	بزبان اردو	پانچ لاکھ

جملہ تعداد اشتہارات ۱۷ لاکھ ستتر ہزار

ان اعداد و شمار کو دیکھ کر ایک متلاشی حق و صداقت اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے کہ آپ کی تعلیم اور لائے ہوئے روحانی خزائن سے دنیا کو سیراب کر رہا ہے۔ اور مسیح موعود کے غلاموں کو اسلام کی اشاعت کی یہ توفیق مل رہی ہے۔

جب ایک شخص کی یہ مثال ہے۔ تو اندازہ کرو اس مجموعی اشاعت و تبلیغ حقہ کا جو خدا تعالیٰ محض اپنے فضل سے احمدیت کی صداقت کو اس رنگ میں دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے مجموعی جماعتوں سے کام لے رہا ہے۔ جبکہ ساری دنیا اس زلیخہ سے غافل سوئی پڑی ہے۔

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل دل ہے کوئی

ضروری گذارش

اکثر احباب اخبار نہ ملنے یا چندہ وغیرہ کے متعلق دریافت کرنے کے لئے ایڈیٹر کو مخاطب کرتے ہیں۔ حالانکہ ان امور کا تعلق دفتر مینیجر سے ہے۔ احباب نوٹ فرمالیں۔

(ایڈیٹر)